

احکام نکاح

www.KitaboSunnat.com

مؤلف

شیخ الاسلام مولانا محمد رفیع رحمانی



مکتبہ قدوسیہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب

عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload)

کی جاتی ہیں۔

دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

قَالَ كَيْفَ
مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْكُمْ
نَبِيٌّ جَاءَكُمْ فَجَبَّحْتُمْ بِهِ
وَلَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ
(النور ۳۲)

احکام نکاح

مؤلف

شیخ الحدیث مولانا محمد رفیع صاحب دہلی حفظہ اللہ

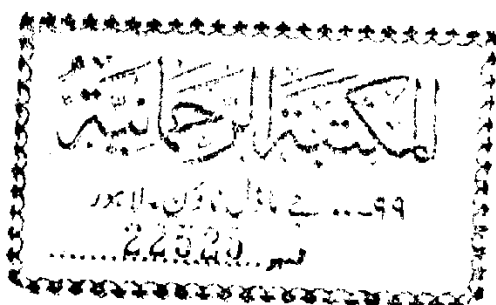
مکتبہ قدوسیہ

www.KitaboSunnat.com

ضوابط و صورت اور معیاری مطبوعات

کتاب و سنت
کی
نشر و اشاعت
کے لیے
کوشاں

اس کتاب کے
جملہ حقوق اشاعت محفوظ ہیں
اشاعت — 2005
المنہاج طباعت
ابوبکر قدوسی



کتابیں اسلام کے پرچم پر

مکتبہ قدوسی

Ph: 042-7230585-7351124
Email: qadusia@brain.net.pk
www.quddusia.com

رحمان مارکیٹ، غزنی سڑک، اردو بازار، لاہور، پاکستان

فہرست مضامین

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
	جس عورت کو نکاح کا پیغام دینا ہو اس پر	۶	تمہید
۳۳	نظر ڈالنا	۱۰	نکاح کے لغوی معنی
۳۷	پیغام دینے کی حرام صورتیں	۱۱	نکاح کی ضرورت و اہمیت
۳۸	نکاح کے لیے ولی کی شرط	۱۱	بیوی کا ہونا اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے:
	عورت کے نکاح کے لیے اس کے ولی	۱۳	ازدواجی زندگی کا مقصد
۳۹	کی رضا مندی ضروری ہے		فطری داعیات (خواہشات)
۴۳	نکاح کے لیے اعلان	۱۴	کا دائرہ عمل
۴۳	نکاح کے لیے شہادت ضروری	۱۵	جنسی داعیہ کے تعلق سے انسان کا موقف
۴۴	شرائط نکاح	۱۶	اسلام میں رہبانیت نہیں ہے
۴۴	مقام نکاح	۱۹	نکاح اور تحفظ عصمت و عفت
۴۵	لڑکی کے گھر برات لیجانا	۲۰	نکاح کا حکم
۴۶	نکاح کے لیے بلاوا	۲۱	نکاح واجب ہے یا سنت
۴۶	ولی کو لڑکی سے اجازت لینے کا طریقہ	۲۴	ترغیب نکاح کے ساتھ وعدہ غناء
۴۷	وکیل کے ذریعے اجازت لینا	۲۵	حالت فقر میں اجازت نکاح
۴۷	قبول کرنے کا طریقہ	۲۶	نکاح اور افزائش نسل
۴۷	خطبہ نکاح	۲۷	نکاح اور پاکدامنی
۵۰	خطبہ کے بغیر نکاح بے برکت ہوتا ہے	۲۸	نکاح رسولوں کی سنت ہے
۵۱	نکاح کے بعد مبارکباد اور دعا	۲۹	دینداری کی بنا پر عورت کا انتخاب
۵۳	کفو و ولایت	۲۹	محض دولت پرستی
۵۵	نسب میں کفو دیکھنے کا طریقہ	۳۰	حسب و نسب کی بنا پر انتخاب
۵۵	صداق مہر	۳۱	حسن پرستی
۵۶	مہر کی تعریف	۳۲	معیار دینداری اور ذاتی صلاحیت ہو
۵۶	مہر حیثیت سے زیادہ نہ ہونا چاہئے	۳۳	دین اور حسن کا اجتماع
۵۷	مہر مثل	۳۳	خوبصورتی کا معیار
۵۷	مہر کی مقدار	۳۳	دینداروں کو ترجیح دینے کے چند واقعات

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۷۸	میک اپ کرنا	۵۹	مہر کا غیر مال ہونا
۸۰	قرآن مجید کے سائے تلے رخصت کرنا	۶۵	۴م المومنین حضرت ام حبیبہ کا مہر
۸۰	دروازے کی چوکھٹوں پر تیل	۶۸	مہر ادا کرنے کی تاکید
۸۰	دلہا اور دلہن کو کنگنا (گانی) باندھنا	۶۹	شادی بیاہ کی رسوم و بدعات
۸۰	منہ دکھائی کی رسم	۶۹	منگنی کیا ہے؟
۸۱	گود بٹھائی کی رسم	۷۰	منگنی کے بعد لڑکے اور لڑکی کی ملاقاتیں
۸۱	شادی کا راز	۷۱	مائیوں بٹھانے کی رسم
۸۳	رات میں شادی کی تقریبات کا انعقاد	۷۱	تیل مہندی کی رسم
۸۵	جہیز، ایک ہندوانہ رسم	۷۲	سہرہ بندی کی رسم
۸۷	فاطمی جہیز	۷۲	دلہے کو ہار پہنانا
۸۹	شادی پر تصویریں اتارنا اور قلم بنانا	۷۳	دلہا یا دلہن کو سلامیاں دینا
۹۶	آثار صحابہ رضی اللہ عنہم	۷۳	دفعہ بجانا
۱۰۲	شادی کے بعد ولیمہ	۷۳	مہندی لگانا
۱۰۴	ولیمہ کی دعوت قبول کرنی چاہئے	۷۳	گھروں میں چراغاں کرنا
۱۰۴	کیسے لوگوں کا کھانا نہ کھایا جائے	۷۳	بینڈ باجے والے ساتھ لے جانا
۱۰۵	مباشرت	۷۴	دلہا کو گھوڑی چڑھانا یا گاڑی سجانا
۱۰۵	زفاف، سنت کی روشنی میں	۷۴	آتش بازی کرنا
	مباشرت ایک راز ہے اس کا افشا	۷۴	بھانڈوں، گویوں اور کچھروں کا ناچ گانا
۱۰۷	بدترین گناہ	۷۵	شادی پر پیسے لوٹانا
۱۰۸	برہنگی کی ممانعت	۷۵	بوقت نکاح دلہا اور دلہن کو کلے پڑھانا
۱۰۸	شرم و حیا کا انتہائی درجہ		لڑکے والوں کا دلہن کے ہاں ”بد“
۱۰۹	زوجین کے باہمی تعلقات	۷۵	لے کر جانا
۱۱۲	دیر سے اجتناب	۷۶	دلہا والوں کا ”وری“ لے کر جانا
	اپنی بیوی کے ساتھ بد فعلی کرنے والا	۷۶	نکاح کے بعد چھوہارے تقسیم کرنا
۱۱۴	ملعون ہے	۷۶	نیوٹہ بازی (نیوندرا)
۱۱۴	قرآن میں تعدد ازواج	۷۸	دلہا کے ساتھ غیر اخلاقی حرکتیں
۱۱۶	تعدد ازواج پر پابندی	۷۸	سر بالہ

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۱۵۹	نکاح کی ایک خصوصیت	۱۱۸	تعدد ازواج کے جواز کی مصلحت
۱۵۹	آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی فضیلت	۱۱۹	رحمۃ للعالمین کے لیے تعدد ازواج
۱۶۰	نیک بخت بیوی کی خصوصیت		تعدد ازواج کے جواز کے لیے عدل
۱۶۰	نکاح آدھا ایمان ہے	۱۲۳	کی شرط
۱۶۱	کونسا نکاح بابرکت ہے	۱۲۵	جن عورتوں سے نکاح حرام ہے
۱۶۱	لڑکی کے بالغ ہوتے ہی اس کا نکاح کر دو	۱۲۶	رضاعت کی بنا پر حرام رشتے
۱۶۲	عورت کو مارنے کی ممانعت	۱۲۷	مصابہرت سے رشتوں کی حرمت
۱۶۳	اپنی بیوی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو	۱۲۸	دو بہنوں کو جمع کرنا
۱۶۳	اپنی بیویوں کے ساتھ حسن معاشرت	۱۲۸	شادی شدہ عورتیں
۱۶۶	شوال کے مہینے میں نکاح کرنا مستحب ہے	۱۳۰	مشرک عورتیں
	رسول اللہ ﷺ سے نکاح وقت	۱۳۱	کتابیہ سے نکاح
۱۶۷	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر	۱۳۳	مسلمان عورت کا غیر مسلم سے نکاح
	اپنے اہل و عیال کے ساتھ حسن سلوک	۱۳۵	بیوہ اور مطلقہ سے نکاح
۱۶۸	کرنے والا بہترین شخص ہے	۱۳۵	زانی اور زانیہ کے نکاح کا حکم
۱۷۰	فرمانبردار بیوی کو جنت کی بشارت	۱۳۸	نکاح شغار
	اگر غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو خاوند	۱۳۹	نکاح متعہ
۱۷۰	کو بیوی کا مسجود قرار دیا جاتا	۱۴۲	شوہر اور بیوی کے حقوق و فرائض
۱۷۱	شوہر کی خوشنودی کی اہمیت	۱۴۳	توام کے معنی
۱۷۲	شوہر کی اطاعت کرو	۱۴۳	بیوی کے حقوق شوہر پر
۱۷۳	ضروریات زندگی کی طلب میں اعتدال	۱۵۰	ظلم اور ایذا رسانی
۱۷۳	احسان شناسی	۱۵۱	عورت کا حق اور دینی فرائض
۱۷۳	شوہر کو تکلیف مت پہنچاؤ	۱۵۱	شوہر کے حقوق بیوی پر
۱۷۳	ایلاء	۱۵۶	محبت کرنے والی عورت سے نکاح کرو
		۱۵۸	کنواری سے نکاح کرنا زیادہ بہتر ہے



الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ

ابتدائے آفرینش سے خاندان کے وجود اور اُس کے نشو و نما کا مدار رشتہ نکاح پر ہے، نکاح کے ذریعے ہی رشتہ داریاں ظہور میں آتی ہیں اور خاندان بنتا ہے، یہ نکاح کا رشتہ تعلقات کو اس درجہ مضبوط رکھتا ہے کہ ایک بار قائم ہو جانے کے بعد پھر قیامت تک نہیں ٹوٹتا۔ اسلام میں اس رشتے کی بہت اہمیت و فضیلت ہے۔ اسی تعلق کی بنا پر ایک مرد کسی کا باپ اور کسی کا بیٹا بنتا ہے۔ کسی کا دادا اور کسی کا پوتا ہوتا ہے، کسی کا ماموں، کسی کا چچا اور کسی کا بھائی، کسی کا بہنوئی ہوتا ہے۔ اسی تعلق کے ذریعے ایک عورت کسی کی ماں، کسی کی نانی یا دادی، کسی کی پھوپھی یا چچی ہوتی ہے اور کسی کی بیٹی اور کسی کی بہن بنتی ہے۔ گویا سارے تعلقات نکاح کے ذریعے پیدا ہوتے ہیں۔ نکاح کے ذریعے ایک اجنبی اپنا اور ایک بیگانہ یگانہ بن جاتا ہے۔ ان ہی تعلقات سے آدمی بزرگوں کا ادب چھوٹوں پر شفقت و ہمدردی و نغمساری، عفت و پاکبازی، شرم و حیا، پاس و لحاظ اور الفت و محبت کرنا سیکھتا ہے، انہی تعلقات سے خاندانی نظام کی صورت گری ہوتی ہے، اگر نکاح کے رشتہ کا تقدس ملحوظ نہ رکھا جائے تو پھر جو معاشرہ بنے گا اس میں نہ ہمدردی و نغمساری ہوگی نہ عفت و پاکبازی نہ محبت و مودت اور نہ خوشی خلقی اور خوش معاملگی۔ بلکہ ان کی جگہ ظلم و زیادتی، بے مہری و بے وفائی، بد خلقی و بد معاملگی، بے شرمی اور بے حیائی جیسی مذموم صفات پیدا ہوں گی اور پاکیزہ و اعلیٰ صفات کا معاشرہ وجود میں نہیں آسکے گا جو اسلام کو مطلوب ہے۔ قرآن میں اس رشتہ نکاح کو اور رشتہ دارانہ تعلقات کو قائم رکھنے کی تاکید کی گئی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ

”لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک ذات سے پیدا کیا اور اسی

وَوَخَّلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ
مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ
وَأَتَقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ
وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ
رَقِيبًا ﴿النساء﴾

کی جنس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور
ان دونوں سے بہت سے مردوں اور
عورتوں کو پھیلایا، اس اللہ سے ڈرو
جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے
سے اپنا حق مانگتے ہو اور رشتوں کے

حقوق کا پاس و لحاظ رکھو، بیشک اللہ تمہارا حال دیکھتا اور اس پر نظر رکھتا ہے۔“
نبی ﷺ ان آیات کو خطبہ نکاح کے موقع پر تلاوت فرمایا کرتے تھے تا
کہ رشتہ نکاح کی غرض اور اس سے جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ ذہن میں تازہ
ہو جائے اور تعلقات کے رشتوں کو جوڑنے، ان کے حقوق ادا کرنے اور قطع رحمی
سے پرہیز کرنے کے اوصاف ایک مومن میں پیدا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتیں جو انسان کو عطا فرمائی ہیں ان کی نشاندہی کرتے
ہوئے فرمایا ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ
أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا ﴿٢١﴾ (الروم)

یعنی ”اللہ کی نشانیوں میں سے ایک
یہ ہے کہ اس نے تمہاری جنس سے
تمہاری بیویاں پیدا کیں۔“

دوسری جگہ سورہ نحل میں ارشاد ہے:

وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ
أَزْوَاجًا ۖ وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ
أَزْوَاجِكُمْ بَنِينَ وَحَفَدَةً ﴿٤٢﴾ (النحل)

”اللہ ہی ہے جس نے تمہاری جنس
سے تمہارے جوڑے پیدا کئے اور ان
سے تمہارے لڑکے اور پوتے
بنائے۔“

ایک جنس سے پیدا کر کے الفت و محبت دلوں میں ڈال دی جو اللہ کی نعمت
ہے اور نکاح کی بنیاد ہے۔

بعض مذاہب روحانی ترقی کے لیے تجرد کی زندگی اختیار کرنے کی تعلیم

دیتے ہیں، لیکن قرآن نے ہمیں بتایا ہے کہ اخلاقی اور روحانی اعتبار سے بلند تر لوگ انبیاء و رسل ہیں، مگر اللہ نے انہیں بھی یہ تعلق قائم رکھنے کی ہدایت دی:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً﴾

”تم سے پہلے ہم نے بہت سے رسول بھیجے جن کی بیویاں بھی تھیں اور بچے بھی۔“

پھر مسلمانوں کو یہ دعا سکھائی گئی:

﴿رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا
اِیسی اولاد عطا فرما جو آنکھوں کی
وَذُرِّيَّتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ﴾

”اے اللہ! ہمیں ایسی بیویاں اور ایسی اولاد عطا فرما جو آنکھوں کی ٹھنڈک ہو۔“

دراصل نکاح آدمی کو رشد و صلاح، عصمت و عفت اور بنی نوع انساں کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کی جانب لے جاتا ہے۔

راہبانہ زندگی اسلام میں پسندیدہ نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرما دیا ہے:

«النکاح من سنتی فمن رغب
”نکاح میری سنت ہے جو شخص اس
عن سنتی فلیس منی“
سے منہ موڑتا اور میرے طریقہ سے
روگردانی کرتا ہے اس سے میرا کوئی
(مشکوٰۃ)
تعلق نہیں۔“

میاں بیوی کا تعلق جتنا پاکیزہ اور مضبوط ہوگا اتنا ہی پاکیزہ خاندان وجود میں آئے گا اور ویسا ہی پاکیزہ معاشرہ بنے گا جو ایک اعلیٰ تمدن کی بنیاد ہے۔

اسلام نے اخلاقی ہدایتوں اور قانونی بندشوں سے ان رشتوں کو خوش گوار اور مضبوط بنانے پر زور دیا ہے۔ حدیث میں ہے «خیرکم خیرکم لأہلہ»

”تم میں وہ شخص بہتر ہے جو اہل خانہ کے ساتھ بہتر ہے۔“

کافی عرصہ سے خیال تھا کہ نکاح و طلاق کے مسائل پر کچھ لکھا جائے

کیونکہ اکثر و بیشتر لوگوں کو انہی مسائل سے سابقہ پڑتا ہے۔ لیکن تدریسی مصروفیات اور ابن ماجہ کی شرح میں مشغولیت کی بنا پر ادھر توجہ نہ دے سکا۔

بجہ اللہ اب شرح کا کام مکمل ہو گیا ہے اور اس کی چھ جلدیں چھپ کر ہدیہ ناظرین بھی ہو چکی ہیں لہذا اب کچھ وقت ملا ہے جس میں اولاً طلاق کے موضوع پر الگ کتاب لکھی جو چھپ کر ہدیہ ناظرین ہو چکی ہے اور اب نکاح کے موضوع پر یہ رسالہ ہدیہ ناظرین ہے اللہ تعالیٰ ہماری اس محنت کو قبول فرمائے۔ آمین!

محمد علی جانباڑ

۱۰/ دسمبر ۲۰۰۳

نکاح کے لغوی معنی

نکاح کے لغوی معنی باہم ملنے کے ہیں۔ فتح الباری میں ہے «النکاح فی اللغة: الضم والتداخل». درخت کی شاخیں جب ایک دوسرے سے مل جائیں تو کہا جاتا ہے «تناکحت الأشجار». یعنی درختوں کا ہجوم ہو گیا۔ آپس میں گڈمڈ ہو گئے۔ امام فراء فرماتے ہیں: «النکح؛ بضم ثم سکون، اسم الفرج». نون کے پیش اور کاف کے سکون کے ساتھ فرج کا نام ہے۔ اور نون کے زیر کے ساتھ پڑھنا بھی جائز ہے۔ اور نکاح کا عام استعمال وطی میں ہوتا ہے۔ اور نکاح کے عقد کو بھی نکاح کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ وطی کا سبب ہوتا ہے۔ ابوالقاسم الزجاجی فرماتے ہیں: نکاح کا لفظ عقد اور وطی دونوں کے لیے حقیقت ہے۔ اور علامہ فارسی فرماتے ہیں: جب یہ کہا جائے کہ اس نے فلانہ یا بنت فلاں سے نکاح کیا ہے تو اس سے مراد عقد ہوتا ہے۔ اور جب یہ کہا جائے کہ اس نے اپنی زوجہ سے نکاح کیا ہے تو اس سے مراد وطی ہوتی ہے۔

کچھ دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ نکاح کا اصل معنی استعلاء کی بنا پر کسی چیز کا کسی چیز کو لازم ہونا ہے۔ اور یہ محسوسات اور معانی دونوں میں ہوتا ہے۔ چنانچہ بولتے ہیں: «نکح المطر الأرض ونکح النعاس عینہ». بارش زمین میں پیوست ہو گئی اور نیند اس کی آنکھوں پر غالب آ گئی اور «نکحت القمح فی الأرض» اس وقت بولتے ہیں جب تو گندم کی کاشت کر دے اور گندم کا بیج زمین میں ڈال دے۔ اور «نکحت الحصاة أخفاف الإبل». اس وقت بولتے ہیں کہ جب کنکریاں اونٹ کے پاؤں میں دھنس جائیں۔

اور شریعت میں نکاح کا لفظ صحیح مذہب کے مطابق عقد کے لیے حقیقت اور وطی کے لیے مجاز ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ یہ لفظ کثرت سے کتاب و سنت

میں عقد کے لیے استعمال ہوا ہے۔ یہاں تک یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لفظ قرآن میں سوائے عقد کے استعمال ہوا ہی نہیں ہے۔ (فتح الباری: ج ۱۰ ص ۱۲۹)

نکاح کی ضرورت و اہمیت

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے زمانہ جاہلیت میں عربوں میں مرد و عورت کے باہمی تعلق اور اولاد سے متعلق کئی طریقے اور ضابطے رائج تھے ان میں سے بعض نہایت گندے اور شرمناک تھے۔ ایک طریقہ اصولی طور پر صحیح اور شریفانہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی اصلاح فرما کر بس اسی کو باقی رکھا اور دوسرے سارے طریقے یکسر ختم فرمادیے اور ان کو سنگین گناہ اور جرم قرار دیا۔

نکاح کا یہی طریقہ شرفائے عرب بالخصوص قریش و خاندان بنی ہاشم میں مروج تھا اور یہ ”ملت ابراہیمی“ کی باقیات میں سے تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے تمام اجداد و جدات کے نکاح اسی طریقہ کے مطابق انجام پائے تھے۔ البتہ دور جاہلیت میں بہت سی غیر ضروری رسموں کا اضافہ کر لیا گیا تھا۔ جن سے بالخصوص عرب معاشرے میں عورت کی سماجی اور معاشرتی حیثیت متاثر ہو رہی تھی۔ اسلام نے ان تمام بیہودہ رسموں کو ختم کر دیا۔ (بلوغ الارب تاریخ العرب قبل الاسلام)

قرآن مجید اور احادیث رسول ﷺ دونوں میں نکاح کی مذہبی اور معاشرتی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ اور اسے نسل انسانی کی بقا، ترقی اور مدنی زندگی کے استحکام کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ مرد و عورت کے اس فطری قانونی اور جائز ملاپ سے دنیا میں انسانوں کی نسل کا آغاز ہوا۔

﴿مرد کے لیے بیوی کا ہونا اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے:﴾

قرآن مجید میں مرد کے لیے بیوی کا ہونا اور بیوی کے لیے شوہر کا ہونا اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں شمار کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

”اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی“ (الروم)

بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔ قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ انسان ہی کی جنس میں اللہ تعالیٰ نے عورتیں پیدا کر دیں جو مردوں کی بیویاں بنیں، ایک ہی مادہ سے ایک ہی جگہ میں ایک ہی غذا سے پیدا ہونے والے بچوں میں یہ دو مختلف قسمیں پیدا فرمادیں۔ جن کے اعضاء و جوارح، صورت و سیرت، عادات و اخلاق میں نمایاں تفاوت اور امتیاز پایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت و حکمت کے لیے یہ تخلیق ہی کافی نشانی ہے۔ اس کے بعد عورتوں کی اس خاص نوع کی تخلیق کی حکمت و مصلحت یہ بیان فرمائی ﴿لَتَسْكُنُوا إِلَيْهَا﴾ یعنی ان کو اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ تمہیں ان کے پاس پہنچ کر سکون ملے۔ مرد کی جتنی ضروریات عورت سے متعلق ہیں ان سب میں غور کیجئے تو سب کا حاصل سکون قلب اور راحت و اطمینان نکلتے گا، قرآن کریم نے ایک لفظ میں ان سب کو جمع فرما دیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ازدواجی زندگی کے تمام کاروبار کا خلاصہ سکون و راحت قلب ہے، جس گھر میں یہ موجود ہے وہ اپنی تخلیق کے مقصد میں کامیاب ہے، جہاں قلبی سکون نہ ہو اور چاہے سب کچھ ہو وہ ازدواجی زندگی کے لحاظ سے ناکام و ناعمراد ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ باہمی سکون قلب صرف اسی صورت سے ممکن ہے کہ مرد و عورت کے تعلق کی بنیاد شرعی نکاح اور ازدواج پر ہو۔

جن ممالک اور جن لوگوں نے اس کے خلاف کی حرام صورتوں کو رواج دیا اگر تفتیش کی جائے تو ان کی زندگی کو کہیں پر سکون نہ پائیں گے، جانوروں کی طرح

وقتِ خواہش پوری کر لینے کا نام سکون نہیں ہو سکتا۔

ازدواجی زندگی کا مقصد:

اس آیت نے مرد و عورت کی ازدواجی زندگی کا مقصد سکونِ قلب قرار دیا ہے اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ طرفین ایک دوسرے کا حق پہچانیں اور ادا کریں، ورنہ حق طلبی کے جھگڑے خانگی سکون کو برباد کر دیں گے۔ اس ادائے حقوق کے لیے ایک صورت تو یہ تھی کہ اس کے قوانین بنادینے اور احکام نافذ کر دینے پر اکتفاء کیا جاتا، جیسے دوسرے لوگوں کے حقوق کے معاملہ میں ایسا ہی کیا گیا ہے، کہ ایک دوسرے کی حق تلفی کو حرام کر کے اس پر سخت عیدیں سنائی گئیں، سزائیں مقرر کی گئیں، ایثار و ہمدردی کی نصیحت کی گئی۔ لیکن تجربہ شاہد ہے کہ صرف قانون کے ذریعہ کوئی قوم اعتدال پر نہیں لائی جاسکتی جب تک اس کے ساتھ اللہ کا خوف نہ ہو، اسی لیے معاشرتی معاملات میں احکامِ شریعہ کے ساتھ پورے قرآن میں ہر جگہ ﴿اتَّقُوا اللَّهَ، وَاحْشَوْا﴾ وغیرہ کے کلمات بطور تکملہ کے لائے گئے ہیں۔

مرد و عورت کے باہمی معاملات کچھ اس نوعیت کے ہیں کہ ان کے حقوق باہمی پورے ادا کرانے پر نہ کوئی قانون حاوی ہو سکتا ہے نہ کوئی عدالت ان کا پورا انصاف کر سکتی ہے۔ اسی لیے خطبہ نکاح میں رسول اللہ ﷺ نے قرآن کریم کی وہ آیات انتخاب فرمائی ہیں جن میں تقویٰ اور خوفِ خدا و آخرت کی تلقین ہے کہ وہی درحقیقت زوجین کے باہمی حقوق کا ضامن ہو سکتا ہے۔

اس پر ایک مزید انعام حق تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ازدواجی حقوق کو صرف شرعی اور قانونی نہیں رکھا، بلکہ طبعی اور نفسانی بنادیا۔ جس طرح ماں باپ اور اولاد کے باہمی حقوق کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ فرمایا کہ ان کے قلوب میں فطرۃً ایک ایسی محبت پیدا فرمادی کہ ماں باپ اپنی جان سے زیادہ اولاد کی حفاظت کرنے پر مجبور ہیں۔ اور اسی طرح اولاد کے قلوب میں بھی ایک فطری محبت ماں باپ کی

رکھ دی گئی ہے۔ یہی معاملہ زوجین کے متعلق بھی فرمایا گیا۔ اس کے لیے ارشاد فرمایا: ﴿وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے زوجین کے درمیان صرف شرعی اور قانونی تعلق نہیں رکھا۔ بلکہ ان کے دلوں میں مودت اور رحمت پیوست کر دی۔ وُدّ اور مَوَدّت کے لفظی معنی چاہنے کے ہیں جس کا ثمرہ محبت والفت ہے۔ یہاں حق تعالیٰ نے دو لفظ اختیار فرمائے ایک مودت دوسرے رحمت۔ ممکن ہے اس میں اشارہ اس طرف ہو کہ مودت کا تعلق جوانی کے اس زمانے سے ہو جس میں طرفین کی خواہشات ایک دوسرے سے محبت والفت پر مجبور کرتی ہیں۔ اور بڑھاپے میں جب یہ جذبات ختم ہو جاتے ہیں تو باہمی رحمت و ترحم طبعی ہو جاتا ہے۔ (ذکرہ القرطبی عن بعض)

فِطری داعیات (خواہشات) کا دائرہ عمل

اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین کی خلافت اور اس کی آبادکاری کے لیے پیدا کیا ہے۔ اس مقصد کی تکمیل اسی صورت میں ہو سکتی ہے جبکہ انسان کی نوع باقی رہے اور اس طرح زندگی بسر کرے کہ زراعت، صنعت، تعمیر اور آبادکاری کے کام اس کے ہاتھوں انجام پاتے رہیں نیز اللہ کا جو حق اس پر ہے اس کو وہ ادا کرتا رہے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر فطری داعیات اور نفسیاتی محرکات رکھے ہیں جو انسان کو فرد اور نوع دونوں کی بقا کا ذریعہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

من جملہ ان کے ایک داعیہ کھانے کی اشتہاء ہے کہ شکم سیری سے آدمی کا وجود باقی رہتا ہے۔

دوسرا داعیہ جنسی خواہش ہے جس پر نوع انسانی کی بقا کا انحصار ہے۔ یہ نہایت قوی اور قابو سے نکل جانے والا داعیہ ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ

ہر تنفس سے اپنی ناقابل تسکین خواہش کو پورا کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ لہذا انسان کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ تین موقفوں میں سے کوئی ایک موقف اختیار کرے۔

❦ جنسی داعیہ کے تعلق سے انسان کا موقف:

۱- ایک موقف یہ ہے کہ اس داعیہ کو بالکل آزاد چھوڑ دیا جائے کہ وہ جہاں

چاہے اور جس طرح چاہے اپنا کام کرے۔ اس کے لیے کسی قسم کی دینی، اخلاقی اور عرفی رکاوٹ نہ ہو۔ اباحت والے مذاہب جو نہ کسی دین کو مانتے ہیں اور نہ فضائل اخلاق کو تسلیم کرتے ہیں، اسی کے قائل ہیں۔ یہ موقف انسان کو انسانیت کے مقام سے گرا کر حیوانیت کی سطح پر لے آتا ہے اور فرد، خاندان اور سماج سب کے بگاڑ کا موجب بنتا ہے۔

۲- دوسرا موقف یہ ہے کہ اس داعیہ سے آدمی ٹکرائے اور اس کا زور ختم

کرنے کی کوشش کرے جیسا کہ تقشف پسند اور محرومی و بدشگونی کا اعتقاد رکھنے والے مذاہب کا شعار ہے اور رہبانیت اور المانویت اس کی مثالیں ہیں۔ یہ موقف اس داعیہ کو کچل دیتا ہے اور اس حکمت کے سراسر منافی ہے جس کی مناسبت سے انسان کو مخصوص ساخت عطا کی گئی ہے اور ایک خاص فطرت پر اس کی تخلیق ہوئی ہے۔ نیز یہ موقف اس طریق زندگی سے متصادم ہے جو ان فطری خواہشات کی تکمیل کا سامان کرتا ہے۔

۳- تیسرا موقف یہ ہے کہ اس داعیہ کے لیے حدود مقرر کئے جائیں تاکہ وہ

اپنے دائرہ میں آزاد رہے۔ نہ تو اسے کچل کر رکھ دیا جائے اور نہ ہی دیوانگی کی حد تک آزاد چھوڑ دیا جائے۔ آسمانی مذاہب نے یہی موقف اختیار کیا ہے۔ ان مذاہب نے زنا کو حرام اور نکاح کو جائز ٹھہرایا ہے۔ خصوصاً اسلام نے اس داعیہ کو تسلیم کر لیا ہے اور اس کے لیے جائز راہ کھول دی ہے۔ اور عورتوں سے بے تعلقی اختیار کرنے اور نجر دہی کی زندگی

گزارنے سے منع کیا ہے جبکہ اس نے زنا، اس کے متعلقات اور مقدمات کو سخت حرام ٹھہرایا ہے۔

یہ موقف عدل اور اعتدال پر مبنی ہے۔ اگر نکاح مشروع نہ کیا گیا ہوتا تو یہ داعیہ سلسلہ انسانی کے بقا کی خدمت انجام نہیں دے سکتا تھا۔ اور اگر زنا کو حرام نہ کر دیا گیا ہوتا اور مرد کے لیے یہ ضروری نہ کر دیا گیا ہوتا کہ وہ کسی عورت کو اپنے لیے مخصوص کر لے تو خاندان کی تشکیل نہیں ہو سکتی تھی جس کے زیر سایہ مودت، رحمت، شفقت، محبت اور ایثار جیسے ارتقاء پذیر اجتماعی جذبات پرورش پاتے ہیں۔ اور جب خاندان نہ ہوتا تو سماج کی تشکیل بھی نہ ہوتی اور نہ وہ ترقی و کمال کی راہ پر گامزن ہوتی۔

اسلام میں رہبانیت نہیں ہے:

اسلام نے جنسی خواہش کو بے لگام نہیں چھوڑا ہے کہ بلا قید و بند جس راہ پر چاہے چل پڑے بلکہ اس پر مضبوط گرفت رکھی ہے چنانچہ اس نے زنا ہی کو نہیں اس کے اسباب و متعلقات کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ لیکن دوسری جانب اسلام ایسے رجحانات کا مخالف ہے جو اس فطری خواہش سے متصادم ہوں یا اس کو سرے سے ختم کر دینا چاہتے ہوں۔ اسی لیے اسلام نے نکاح کی ترغیب دی ہے اور غیر شادی شدہ رہنے یا اپنے کو خصی کر لینے کی ممانعت کی ہے۔ لہذا کسی مسلمان کے لیے روا نہیں کہ وہ استطاعت کے باوجود نکاح سے اس بنا پر اعراض کرے کہ وہ دنیا سے قطع تعلق کر کے اللہ کا ہو کر رہنا چاہتا ہے یا یکسو ہو کر عبادت کرنا چاہتا ہے۔

بعض اصحاب رسول ﷺ میں ترک دنیا کا رجحان پیدا ہو گیا تھا لیکن جو نبی نبی ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ ترک دنیا اسلام کی راہ سے انحراف اور سنت نبوی ﷺ سے اعراض ہے۔ اس طرح آپ ﷺ نے ان نصرانی افکار کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیا۔ ابو قلابہ سے

روایت ہے کہ:

کچھ اصحاب رسول ﷺ نے تارک الدنیا بننے، عورتوں کو چھوڑ دینے اور رہبانیت اختیار کرنے کا ارادہ کیا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس پر سخت گرفت کرتے ہوئے فرمایا: تم سے پہلے کے لوگ دین میں تشدد اختیار کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ انہوں نے جب تشدد اختیار کیا تو اللہ نے بھی ان کے ساتھ تشدد کا معاملہ کیا۔ ان ہی کے یہ اخلاف ہیں جو اویار اور خانقاہوں میں پائے جاتے

أَرَادَ أَنَسُ بْنُ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنْ يَرْفُضُوا الدُّنْيَا وَيَتْرَكُوا النِّسَاءَ وَيَتْرَهَبُوا. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «فَعَلَّطَ فِيهِمُ الْمَقَالَةَ ثُمَّ قَالَ: «إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِالشَّدِيدِ شَدَّدُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ فَشَدَّدَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ فَأُولَئِكَ بَقَايَاهُمْ فِي الْأَدْيَارِ وَالصَّوَابِعِ، فَأَعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تَشْرِكُوا بِهِ، وَحُجُّوا وَاعْتَمِرُوا وَاسْتَقِيمُوا يَسْتَقِمْ بِكُمْ».

ہیں! پس اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ، حج کرو، عمرہ کرو اور راسخی اختیار کرو کہ تمہارے ساتھ بھی راسخی کا معاملہ کیا جائے۔“

راوی کہتے ہیں، ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿۵۸﴾ (المائدة)

”اے ایمان لانے والو! جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں انہیں حرام نہ ٹھہراؤ اور نہ حد سے تجاوز کرو اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

مجاہد کہتے ہیں کہ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اور عمر و رضی اللہ عنہ جیسے لوگوں نے چاہا کہ وہ تجرد کی زندگی گزاریں اور اپنے آپ کو خسی بنا لیں اور ثاٹ کا کپڑا

پہنیں۔ اس پر مذکورہ آیت اور اس کے بعد والی آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر ابن جریر)

بخاری وغیرہ کی روایت ہے کہ:

أَنَّ رَهْطًا مِّنَ الصَّحَابَةِ ذَهَبُوا إِلَى بَيْوتِ النَّبِيِّ ﷺ يَسْأَلُونَ أَزْوَاجَهُ عَنْ عِبَادَتِهِ، فَلَمَّا أَخْبَرُوا بِهَا كَانَتْهُمْ تَقَالُوهَا ثُمَّ قَالُوا: إِنْ نَحْنُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَقَدْ غَفَرَ اللَّهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ فَقَالَ أَحَدُهُمْ: أَمَّا أَنَا فَاصُومُ الذَّهْرَ فَلَا أَفْطِرُ. وَقَالَ الثَّانِي: وَأَنَا أَقُومُ اللَّيْلَ فَلَا أَنَامُ. وَقَالَ الثَّلَاثُ: وَأَنَا أَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا أَتَزَوَّجُ أَبَدًا. فَلَمَّا بَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيُّ ﷺ بَيَّنَ لَهُمْ خَطَأَهُمْ وَعَوَّجَ طَرِيقَهُمْ وَقَالَ لَهُمْ: «إِنَّمَا أَنَا أَعَلِّمُكُمْ بِاللَّهِ وَأَخْشَاكُمْ لَهُ وَلَكِنِّي أَقُومُ وَأَنَامُ وَأَصُومُ وَأَفْطِرُ وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ. فَمَنْ رَغِبَ عَن سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي».

(بخاری، کتاب النکاح)

صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک گروہ نبی ﷺ کے گھر گیا تاکہ ازواجِ مطہرات سے آپ ﷺ کی عبادت کا حال معلوم کریں۔ جب ان کو آپ ﷺ کی عبادت کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے خیال کیا کہ یہ عبادت کم ہے اور کہنے لگے کہاں ہم اور کہاں اللہ کا پیغمبر۔ آپ ﷺ کے تو تمام اگلے پچھلے گناہ اللہ معاف کر چکا ہے پھر ایک شخص نے کہا، میں تو مسلسل روزے رکھوں گا۔ اور دوسرے نے کہا میں رات بھر عبادت کروں گا بالکل نہیں سوؤں گا۔ اور تیسرے نے کہا میں عورتوں سے کنارہ کشی اختیار کروں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا۔ جب نبی ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے ان کی غلطی اور کج روی ان پر واضح کرتے ہوئے فرمایا:

”میں تم میں سب سے زیادہ اللہ کو

جاننے والا اور اس سے ڈرنے والا ہوں، لیکن رات کو عبادت بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزہ رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا

ہوں۔ جو کوئی میرے طریقہ سے انحراف کرے وہ مجھ سے نہیں ہے۔“

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

رَدَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى عُثْمَانَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نے عثمان بن
بْنِ مَظْعُونِ التَّبَلِّ وَلَوْ أَدْنَى لَهُ مَظْعُونِ رضی اللہ عنہ کو مجرد کی زندگی گزارنے
لَا خُتْصَيْنَا (بخاری، کتاب النکاح) سے منع فرمایا۔ اگر آپ ﷺ انہیں

اجازت دے دیتے تو ہم اپنے آپ کو خصی کر لیتے۔“

آپ ﷺ نے نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ اے نوجوانو! تم میں سے جو شخص
مِنْكُمْ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ نِكَاح کی استطاعت رکھتا ہو اسے
أَغْضُ لِلْبَصْرِ وَأَحْصِنُ لِلْفَرْجِ چاہئے کہ نکاح کر لے کیونکہ نکاح
(بخاری، کتاب النکاح) غرض بصر اور شرمگاہ کی حفاظت کا

باعث ہے۔

اسی بنا پر بعض علماء کہتے ہیں کہ نکاح کرنا مسلمان پر فرض ہے۔ باوجود
استطاعت کے نہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اور دیگر علماء کی رائے میں اس شخص پر فرض
ہے جو نکاح کا مشتاق ہو اور اپنے لیے اندیشہ محسوس کرتا ہو۔

نکاح اور تحفظ عصمت و عفت:

اتنی مہلک اور خطرناک برائی جو انسان کو ہر اعتبار سے سخت سے سخت
نقصان پہنچاتی ہے اس کی روک تھام کی جس شد و مد سے ضرورت تھی وہ کسی ذی
عقل سے مخفی نہیں اور صرف روک دینا ہی کافی نہ ہوتا۔..... جیسا کہ عیسائیوں اور
دوسری قوموں میں اس کا انجام دیکھ رہے ہیں بلکہ اس کے لیے مستقل قوانین اور
ضابطہ کی ضرورت تھی اور اسلام نے یہی کیا۔ انسان کی فطرت کو جانچا اور اس کے
مطابق علاج اور پرہیز کی تاکید کی اسلام نے غیر مذاہب کی طرح افراط و تفریط کا
راستہ اختیار نہیں کیا بلکہ انسانی مزاج کو پرکھ کر اعتدال کا طریقہ پسند کیا۔

نکاح کا حکم:

زنا کے نقصانات بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کو حکم دیا کہ مرد و عورت جن کو شادی کی ضرورت محسوس ہو ضرور شادی کریں کہ عفت و عصمت کی حفاظت کا سب سے بڑا ذریعہ اور ان کی جنسی خواہشات کی تسکین کا سبب یہی ہو سکتا ہے۔ رب العزت نے شادی کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ ۖ وَإِمَائِكُمْ﴾ (النور)

”اور تم میں جو بے نکاح ہوں ان کا نکاح کر دیا کرو اور تمہارے غلام اور لونڈیوں میں جو اس لائق ہو اس کا بھی۔“

ایامی ایام کی جمع ہے اس کا استعمال مرد و عورت دونوں کے لیے ہے۔ جس مرد کی بیوی نہ ہو اس کو ایام بھی کہتے ہیں اور جس عورت کا شوہر نہ ہو اس کو بھی ایام کہتے ہیں۔ پھر چاہے سرے سے ابھی شادی نہ ہوئی ہو یا شادی ہوئی تھی مگر شوہر یا بیوی کا انتقال ہو گیا۔ ”رجل ایام“ بھی کہا جاتا ہے اور ”امراۃ ایام“ بھی۔ (ابن کثیر: ج ۲ ص ۲۸۶)

معلوم ہوا اللہ تعالیٰ نے رشتہ ازدواج کے قیام کی تاکید فرمائی ہے اور ان تمام مرد و عورت کی شادی کر دینے کا حکم دیا ہے۔ جن کو شادی کی ضرورت ہو حتیٰ کہ غلام جو بڑی حد تک بے بس ہوتا ہے اس کے متعلق بھی ارشاد فرمایا کہ ان کی بھی شادی ضروری ہے اگر ان میں حقوق زوجیت ادا کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے اور پھر اس ذمہ داری کو رب العزت نے قوم کے سرڈالا ہے تاکہ اس کی اہمیت کا احساس پیدا ہو اور اشارہ کیا گیا ہے کہ شادی کے جو فائدے ہوتے ہیں اس سے پوری قوم مستفید ہوتی ہے اور شادی نہ کرنے کے جو نقصانات ہیں ان کا اثر پوری قوم پر پڑتا ہے۔ کوئی ذی عقل انسان اس بات سے انکار کی جرأت نہیں کر سکتا کہ جائز شادی کا رواج اگر بند کر دیا جائے تو پوری قوم کے اخلاق

گندے ہو جائیں گے۔ اس آیت کے اگلے حصہ میں رب العزت نے اس طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ کسی موہوم خدشہ کو حیلہ بنا کر اس نیک رشتہ کے قائم کرنے سے بچنے کی کوشش نہ کرنی چاہئے جس پر آگے بحث ہوگی۔

اس آیت سے اتنی بات بہر حال کھل کر معلوم ہو گئی کہ جو مرد یا عورت شادی کے لائق ہوں ان کی شادی کر دی جائے اور یہ شادی کرنے کی ذمہ داری ولی کے سر بھی ہے اور قوم کے مضبوط دوش پر بھی، کوئی اس سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔

نکاح واجب ہے یا سنت؟

اس پر ائمہ مجتہدین تقریباً سبھی متفق ہیں کہ جس شخص کو نکاح نہ کرنے کی صورت میں غالب گمان یہ ہو کہ وہ حدود شریعت پر قائم نہیں رہ سکے گا، گناہ میں مبتلا ہو جائیگا اور نکاح کرنے پر اس کو قدرت بھی ہو کہ اس کے وسائل موجود ہوں تو ایسے شخص پر نکاح کرنا واجب ہے۔ جب تک نکاح نہ کرے گا گنہگار رہے گا۔ ہاں اگر نکاح کے وسائل موجود نہیں کہ کوئی مناسب عورت میسر نہیں یا اس کے لیے مہر وغیرہ کی حد تک ضروری خرچ اس کے پاس نہیں تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو چاہئے کہ وسائل کی فراہمی کی کوشش کرتا رہے۔ اور جب تک وہ میسر نہ ہوں اپنے نفس کو قابو میں رکھنے اور صبر کرنے کی کوشش کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسے شخص کے لیے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ مسلسل روزے رکھے۔ اس سے غلبہ شہوت کو سکون ہو جاتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عکاف رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ کیا تمہاری زوجہ ہے؟ انہوں نے عرض کیا نہیں۔ پھر پوچھا کوئی شرعی لونڈی ہے؟ کہا کہ نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ تم صاحب وسعت ہو یا نہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ صاحب وسعت ہوں۔ مراد یہ تھی کہ کیا تم نکاح کے لیے ضروری نفقات کا انتظام کر سکتے ہو جس کے جواب میں انہوں نے اقرار کیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پھر تو تم شیطان کے بھائی ہو۔ (مسند احمد.....)

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ ”نکاح کرنا ہماری سنت ہے۔ تم میں بدترین آدمی وہ ہیں جو بے نکاح ہوں اور تمہارے مردوں میں سب سے رذیل وہ ہیں جو بے نکاح مر گئے۔“ (مسند احمد:.....)

مذکورہ دونوں روایات کو بھی جمہور فقہاء نے اسی حالت پر محمول فرمایا ہے جبکہ نکاح نہ کرنے کی صورت میں گناہ کا خطرہ غالب ہو۔

عکاف رحمہ اللہ کا حال رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوگا کہ وہ صبر نہیں کر سکتے۔ اسی طرح مسند احمد میں حضرت انس رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نکاح کرنے کا حکم دیا اور تجل یعنی بے نکاح رہنے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا۔ اسی طرح کی اور بھی روایات حدیث ہیں۔ ان سب کا محل جمہور فقہاء کے نزدیک وہی صورت ہے کہ نکاح نہ کرنے میں ابتلاء معصیت کا خطرہ غالب ہو۔ اسی طرح اس پر بھی تقریباً سبھی فقہاء کا اتفاق ہے کہ جس شخص کو بطن غالب یہ معلوم ہو کہ وہ نکاح کرنے کی وجہ سے گناہ میں مبتلا ہو جائے گا۔ مثلاً بیوی کے حقوق زوجیت ادا کرنے پر قدرت نہیں اس پر ظلم کا مرتکب ہوگا یا اس کے لیے نکاح کرنے کی صورت میں کوئی دوسرا گناہ یقینی طور پر لازم آجائے گا ایسے شخص کو نکاح کرنا حرام یا مکروہ ہے۔

اب اس شخص کا حکم باقی رہا جو حالت اعتدال میں ہے کہ نہ تو ترک نکاح سے گناہ کا خطرہ قوی ہے اور نہ نکاح کی صورت میں کسی گناہ کا اندیشہ غالب ہے۔ ایسے شخص کے بارے میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں کہ اس کو نکاح کرنا افضل ہے یا ترک نکاح کر کے نفلی عبادات میں مشغول ہونا افضل ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نفلی عبادات میں لگنے سے افضل نکاح کرنا ہے اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اعتدال عبادت افضل ہے۔ وجہ اس اختلاف کی اصل میں یہ ہے کہ نکاح اپنی ذات کے اعتبار سے تو ایک مباح ہے جیسے کھانا، پینا، سونا وغیرہ ضروریات زندگی سب مباح ہیں۔ اس میں عبادت کا پہلو اس نیت سے

آ جاتا ہے کہ اس کے ذریعہ آدمی اپنے آپ کو گناہ سے بچا سکے گا اور اولاد صالح پیدا ہوگی تو اس کا بھی ثواب ملے گا۔ اور ایسی نیک نیت سے جو مباح کام بھی انسان کرتا ہے وہ اس کے لیے بالواسطہ عبادت بن جاتی ہے۔ کھانا پینا اور سونا بھی اسی نیت سے عبادت ہو جاتا ہے اور اشتغال بالعبادت اپنی ذات میں عبادت ہے۔ اس لیے حضرت امام شافعیؒ عبادت کے لیے خلوت گزینی کو نکاح سے افضل قرار دیتے ہیں۔ اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نکاح میں عبادت کا پہلو بہ نسبت دوسرے مباحات کے غالب ہے۔ احادیث صحیحہ میں اس کو سنت المرسلینؐ اور اپنی سنت قرار دے کر تاکیدات بکثرت آئی ہیں۔ ان روایات حدیث کے مجموعہ سے اتنا واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ نکاح عام مباحات کی طرح مباح نہیں بلکہ سنت انبیاءؐ ہے جس کی تاکیدات بھی حدیث میں آئی ہیں۔ صرف نیت کی وجہ سے عبادت کی حیثیت اس میں نہیں بلکہ سنت انبیاءؐ ہونے کی حیثیت سے بھی ہے۔ اگر کوئی کہے کہ اس طرح تو کھانا، پینا، سونا بھی سنت انبیاءؐ ہے کہ سب نے ایسا کیا ہے مگر جواب واضح ہے کہ ان چیزوں پر سب انبیاءؐ کا عمل ہونے کے باوجود یہ کسی نے نہیں کہا نہ کسی حدیث میں آیا کہ کھانا، پینا، اور سونا سنت انبیاءؐ ہے بلکہ اس کو عام انسانی عادت کے تابع انبیاءؐ کا عمل قرار دیا ہے بخلاف نکاح کے کہ اس کو صراحتہ سنت المرسلینؐ اور اپنی سنت فرمایا ہے۔

تفسیر مظہری میں اس موقع پر ایک معتدل بات یہ کہی گئی ہے کہ جو شخص حالت اعتدال میں ہو کہ نہ غلبہ شہوت سے مجبور و مغلوب ہو اور نہ نکاح کرنے سے کسی گناہ میں پڑنے کا اندیشہ رکھتا ہو۔ یہ شخص اگر یہ محسوس کرے کہ نکاح کرنے کے باوجود نکاح اور اہل و عیال کی مشغولیت میرے لیے کثرت ذکر اللہ اور توجہ الی اللہ سے مانع نہیں ہوگی تو اس کے لیے نکاح افضل ہے اور انبیاءؐ علیہم السلام اور صلحاء امت کا عام حال یہی تھا۔ اور اگر اس کا اندازہ یہ ہے کہ نکاح اور اہل و عیال کے مشاغل اس کو دینی ترقی، کثرت ذکر وغیرہ سے روک دیں گے تو

بحالت اعتدال اس کے لیے عبادت کے لیے خلوت گزینی اور ترک نکاح افضل ہے۔ قرآن کریم کی بہت سی آیات اس کی تطبیق پر شاہد ہیں ان میں ایک یہ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا أَمْوَالَكُمْ وَلَا أَوْلَادَكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ﴾ اس میں یہی ہدایت ہے کہ انسان کے مال و اولاد اس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل کر دینے کا سبب نہ بننے چاہئیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ترغیب نکاح کے ساتھ وعدہ غناء:

نکاح کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ (النور)

”اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا اور اللہ کشائش والا جاننے والا ہے۔“

اس میں ان غریب فقیر مسلمانوں کے لیے بشارت ہے جو اپنے دین کی حفاظت کے لیے نکاح کرنا چاہتے ہیں مگر وسائل مالیہ ان کے پاس نہیں کہ جب وہ اپنے دین کی حفاظت اور سنت رسول اللہ ﷺ پر عمل کرنے کی نیت صالحہ سے نکاح کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو مالی غنا بھی عطا فرمادیں گے اور اس میں ان لوگوں کو بھی ہدایت ہے جن کے پاس ایسے غریب لوگ متغنی لے کر جائیں کہ وہ محض ان کے فی الحال غریب فقیر ہونے کی وجہ سے رشتہ سے انکار نہ کر دیں۔ مال آنے جانے والی چیز ہے اصل چیز صلاحیت عمل ہے اگر وہ ان میں موجود ہے تو ان کے نکاح سے انکار نہ کریں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سب مسلمانوں کو نکاح کرنے کی ترغیب دی ہے اس میں آزاد اور غلام سب کو داخل فرمایا ہے اور نکاح کرنے پر ان سے غنا کا وعدہ فرمایا ہے۔ (ابن کثیر) اور ابن ابی حاتم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم نکاح کرنے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرو تو اللہ

تعالیٰ نے جو وعدہ غناء عطا فرمانے کا کیا ہے وہ پورا فرمادیں گے پھر یہ آیت پڑھی: **إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ** اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم غنی ہونا چاہتے ہو تو نکاح کر لو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ** (ابن کثیر)

تنبیہ: مگر یہ یاد رہے کہ نکاح کرنے والے کو غنی اور مال عطا فرمانے کا وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی حال میں ہے جبکہ نکاح کرنے والے کی نیت اپنی عفت کی حفاظت اور سنت پر عمل ہو اور پھر اللہ تعالیٰ پر توکل و اعتماد ہو اس کی دلیل اگلی آیت کے یہ الفاظ ہیں:

وَلَيْسَتَعَفِيفَ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّى يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ (النور)
 ”ایسے لوگ جن کو نکاح کی استطاعت نہیں ہے وہ ضبط کریں تا آنکہ اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے۔“

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

ثَلَاثَةٌ حَقٌّ عَلَى اللَّهِ عَوْنُهُمُ النَّكَاحُ الَّذِي يُرِيدُ الْعَفَافَ، وَالْمُكَاتَبُ الَّذِي يُرِيدُ الْإِدَاءَ وَالْعَازِي فِي سَبِيلِ اللَّهِ.
 (مشکوٰۃ: ص ۲۶۷)

”تین اشخاص ایسے ہیں کہ ان کی مدد اللہ کے ذمہ ہے۔ ایک وہ نکاح کرنے والا جو طالب عفت ہو دوسرا وہ مکاتب غلام جو مال ادا کر کے آزاد ہونا چاہتا ہو اور تیسرا اللہ کی راہ کا مجاہد۔“

حالت فقر میں اجازت نکاح:

رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے فقر کا شکوہ کیا تو آپ ﷺ نے اس کو نکاح کرنے کا حکم فرمایا۔ ماحصل یہ ہے کہ فوری فقر اور تنگ دستی کا خود رحمت عالم ﷺ نے بالکل خیال نہیں فرمایا۔ اور نہ اسکی وجہ سے کسی کو نکاح کی اجازت دینے

میں پس و پیش فرمایا۔

حدیث کی کتابوں میں واقعات مذکور ہیں کہ آپ ﷺ نے فوری فقر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شادی کا حکم دیا، کسی کے پاس کچھ نہ تھا صرف لوہے کی ایک انگوٹھی تھی اور آپ ﷺ نے اسے شادی کا حکم دے دیا، کسی صحابی رضی اللہ عنہ کی تعلیم قرآن پر شادی کرا دی، جس کے پاس اس کے سوا کوئی دولت نہ تھی۔ کوئی خدمت نبوی ﷺ میں آیا اور شادی کی خواہش ظاہر کی اور اس کے پاس ایک ازار (لنگی) کے سوا کچھ نہ تھا۔ آپ ﷺ نے اسے شادی کی اجازت دے دی۔ کسی نے اپنی بیوی کو صرف جوتی دی اور آپ ﷺ نے شادی کی اجازت دے دی۔ حدیث یہ ہے کہ ایک لپ ستوا اور کھجور پر شادی کی اجازت دے دی۔

ان حدیثوں کو پیش کر کے کہنا یہ ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں خود رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس طرح کے واقعات پیش آئے جو بتاتے ہیں کہ تنگ دستی اور فقر وفاقہ کے اس عالم میں شادی کی اور کرائی گئی اور اللہ تعالیٰ نے خیر و برکت دی اور رزق کا سامان فرمایا۔

اسلام نے شادی کو اتنی اہمیت کیوں دی؟..... اور پیغمبر اسلام ﷺ نے لوگوں کی شادی ایسی تنگ دستی میں کیوں کرائی؟ سوچا جائے تو یہی معلوم ہوگا..... کہ سارا اہتمام اس لیے عمل میں آیا کہ عفت و عصمت کی پاکیزہ زندگی میسر آئے اور اس طرح جائز طور پر بچے پیدا ہوں۔ جس سے پاکبازی پھیلے اور پھر دنیا میں اخلاق اور عزت و آبرو کی مٹی پلید نہ ہو سکے۔

❁ نکاح اور افزائش نسل:

دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

«تزوجوا الولود، وتناسلوا، فإني مباهٍ بكم الأمم يوم القيامة»۔ (ابن کثیر: ج ۳ ص ۳۸۶)

”بہت چنے والی عورت سے شادی کرو اور نسل بڑھاؤ اس لیے کہ قیامت کے دن تمہاری وجہ سے فخر“

کروں گا۔“

اس حدیث میں نکاح کا بھی حکم دیا گیا ہے اور یہ مقصد بھی نکاح کا بیان کیا گیا ہے کہ شادی کا منشأ تو والد و متاسل اور نسل انسانی کی بقا ہے تا کہ قوم کے افراد کی تعداد زیادہ سے زیادہ ہو۔

مشکوٰۃ میں ایک حدیث ان لفظوں کے ساتھ نقل کی گئی ہے:

«تزوجوا الودود الولود، فإني بكم الأمم». (کتاب النکاح) بچے دینے والی عورت سے شادی کرو اس لیے کہ تمہاری کثرت سے اور امتوں پر فخر کروں گا۔“

اس حدیث میں نکثیر نسل کے ساتھ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ شوہر سے محبت و الفت کرنے والی عورت ہو کہ معاشرتی زندگی کے خوشگوار بنانے کی یہی واحد تدبیر ہے، میاں بیوی میں محبت و الفت ہی کے رشتہ میں سارے خاندان کی مسرت پنہاں و پوشیدہ ہے۔

❁ نکاح اور پاکدامنی:

ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”شادی کرنے سے انسان بہت ساری برائیوں سے بچ جاتا ہے بلکہ اگر کوئی چاہتا ہے کہ دنیا سے پاک و صاف جائے تو اس کا دامن عفت و عصمت سے ملوث نہ ہو تو اس کی شکل یہی ہے:

«من أراد أن يلقى الله طاهرا مطهرا فليتزوج الحرائر». ملنا چاہے اس کو شریف عورتوں سے شادی کرنا چاہئے۔“ (مشکوٰۃ کتاب النکاح)

اس حدیث میں شادی سے جو عفت و عصمت اور پاکدامنی حاصل ہوتی ہے اس کا بڑا بلیغ بیان ہے بلکہ اس میں جو الفاظ آئے ہیں ان سے سمجھا جائے تو یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ شادی کرنے سے اللہ تعالیٰ دوسرے گناہوں سے بھی

آدمی کو بچا لیتا ہے اور یہ کہ شادی شادی کرنے والے کی ہدایت کا بھی اور پھر نجات کا بھی ذریعہ بن جاتی ہے۔

دیکھا بھی گیا ہے کہ جس کی شادی نہیں ہوتی، اور جائز طور پر جنسی میلان پورے نہیں کرتا وہ عموماً مختلف گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، خواہ ان گناہوں میں غیر ارادی طور پر ہی لوگ کیوں نہ مبتلا ہو جاتے ہوں، لیکن شادی شدہ آدمی کے پاس چونکہ بچنے کا ذریعہ ہوتا ہے اس لیے عموماً ان گناہوں سے اس کا رشتہ خود بخود کٹ جاتا ہے، بخلاف ان لوگوں کے جو شادی بھی نہیں کرتے اور پاکدامنی کی زندگی بھی گزارنا چاہتے ہیں۔ خواہ مخواہ کش مکش کی ایسی زندگی گزارتے ہیں جس کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ کس وقت ان سے کیا حرکت سرزد ہو جائے۔

ایک حدیث میں نکاح کو ”نصف دین“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

«إذا تزوج العبد فقد استكمل نصف الدين». (مشکوٰۃ، کتاب النکاح) نے نصف دین پورا کر لیا۔“

غور کیا جائے تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ گناہوں کے بڑے حصہ کا تعلق جنسی میلانات ہی سے ہے۔ شرعی اور آئینی حدود میں اپنے آپ کو جکڑ دینے کے بعد اسباب کی حد تک بے راہ روی کے خطرات کم ہو جاتے ہیں۔

﴿ نکاح رسولوں کی سنت ہے:﴾

حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ تم نے شادی کی؟ میں نے جواب دیا، نہیں۔ انہوں نے کہا:

تزوج، فإن خير هذه الأمة كان شادی کرو، کیونکہ اس امت کے اکثر ہم نساء، یعنی النبی ﷺ سب سے بہتر فرد بیویوں کے اعتبار سے سب سے زیادہ تھے۔ یعنی نبی (جمع الفوائد) کریم ﷺ نے بہت شادیاں کیں۔

پھر یہ بھی مسلم ہے کہ نکاح تمام انبیاء و رسول کی سنت رہی ہے اور تقریباً تمام رسولوں نے شادیاں کیں اور بال بچوں والی زندگی گزاری ہے۔
ارشاد ربانی ہے:

”اور یقیناً ہم نے آپ سے پہلے
بہت سے رسول بھیجے اور ہم نے ان
کو بیویاں اور بچے بھی دیئے۔“
(الرعد)

دینداری کی بنا پر عورت کا انتخاب:

عورت کے انتخاب کے مسئلہ میں شریعت مطہرہ کا مشورہ یہ ہے کہ
دینداری کا لحاظ مقدم ہونا چاہئے۔ مال دار سے شادی کی جائے اور بچے حسب
ونسب والی سے شادی کی جائے حسین اور خوب صورت سے شادی کی جائے یا
کسی معمولی عورت سے بہر حال پہلے عورت کی دینداری اور سیرت کا جائزہ لیا
جائے ارشاد نبوی ﷺ ہے:

”عورت سے چار چیز کی وجہ سے شادی
کی جاتی ہے: اسکی مالداری کی وجہ سے
اور اسکی دینداری کی وجہ سے حسب
ونسب کی وجہ سے اور خوبصورتی کی وجہ
سے پس دیندار کو لیکر کامیاب ہو۔“
تنکح المرأة لأربع؛ لمالها
ولحسنها ولجمالها ولدينها،
فاظفر بذات الدين تربت
يدك. (بخاری باب الاكفاء في الدين)

محض دولت پرستی: www.KitaboSunnat.com

مقصد یہ ہے کہ انسان جب شادی کرنے لگتا ہے تو عورت کا انتخاب انہی
چیزوں کے پیش نظر کرتا ہے کبھی بیوی کا انتخاب اس کی مالداری کی وجہ سے کرتا
ہے کہ عورت صاحب جائداد ہے یا ثروت ہے اور شان دار کوٹھی کی مالک ہے۔
اگر اس سے شادی ہوگئی تو زندگی مزے سے گزرے گی بہت سی فکروں سے نجات
مل جائے گی اور اپنے افلاس کے باوجود مطمئن زندگی کا ذریعہ پیدا ہو جائے گا

دیندار ہو یا نہ ہو مگر انسان عجلت پسندی کی وجہ سے دوسرے پہلو پر غور نہیں کرتا کہ مالدار بیوی کو شریک حیات بنائے گا تو زندگی کا لطف جاتا رہے گا۔ لذت و مسرت مفقود ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کی اجتماعی زندگی کی جو صدارت مرد کے حوالہ کی ہے اس میں رخنہ پڑ جائے گا۔ عورت کے نان و نفقہ کا قیام باقی نہ رہ سکے گا اور گھر کے سامان اور فرنیچر کو دیکھ کر جو مسرت ہوا کرتی ہے بال بچوں کے لباس سے طبیعت میں جو کیف و انبساط پیدا ہوتا ہے یہ کرکرا ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ سب غیر کا اثر نعمت ہے۔ اپنی کمائی نہیں۔ بیوی کی نگاہ میں جو عزت و وقعت چاہئے باقی نہ رہے گی کیونکہ مالدار بیوی کی نظر میں مفلس شوہر کی وقعت میسر اور منظم سے زیادہ نہیں ہوتی ہے اور یہ بھی اس وقت جب عورت بلند اخلاق ہو اور اگر خدا نخواستہ عورت بے ادب ہوئی تو ہر قدم پر ٹھوکر لگائے گی اور احسان جتائے گی۔ پھر اپنی اس مالدار بیوی سے جو اولاد ہوگی۔ یہ اولاد بھی باپ کی وہ عزت و کمرمت نہیں کر سکتی جو کرنی چاہئے۔ بیوی کی کسی غلطی پر شوہر تنبیہ کرنا چاہے گا تو ایسی بیوی مقابلہ کے لیے آمادہ ہو جائیگی اور نہ معلوم کیا کیا کہہ دے گی۔ پھر خود سوچا جائے ایسے حالات میں زندگی کی لذت و مسرت کیا باقی رہے گی۔ اس طرف اشارہ کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”لا تزوجوهن لأموالهن فَعَسَى
 أَمْوَالُهُنَّ أَنْ تُطْغِيَهُنَّ“
 (ابن ماجہ: باب تزوج ذات الدین) ”عورتوں سے ان کی مالداری کی وجہ سے شادی نہ کرو، عموماً ان کا مال ان کو سرکشی پر آمادہ کر دیتا ہے۔“

محض حسب و نسب کی بنا پر انتخاب:

کبھی کوئی عورت کا انتخاب محض اس کے حسب و نسب کی وجہ سے کرتا ہے ذاتی شرافت اور صلاحیت بھی نہ ہو اور پھر اگر صرف نسلی امتیاز ہو اور دینداری نہ ہو تو یہ نسلی امتیاز عورت میں کبر و غرور پیدا کر دیتا ہے اور وہ اپنے مقام سے آگے بڑھ جانے کی سعی کرتی ہے، بتدریج یہ چیز بھی مرد کی قومیت کو مجروح کر ڈالتی

ہے۔ مقصد یہ نہیں ہے کہ نسب کا لحاظ کیا ہی نہ جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ محض نسلی امتیاز کوئی مفید چیز نہیں، جب تک ذاتی صلاحیت اور دینداری نہ ہو، اور یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ اسلام میں اول دینداری، پھر کوئی اور چیز ہے۔ دین کے مقابلہ میں حسب نسب کوئی چیز نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«الْوَلَامَةُ خَرَمَاءُ سَوْدَاءُ ذَاتُ» ”کالی کلوٹی“ بے وقوف لونڈی جو دینِ افضل“۔ (ابن ماجہ)

دیندار ہوا افضل ہے۔“

دوسری حدیثوں سے بھی اس نقطہ نظر کی تائید ہوتی ہے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے اولیاء متقی ہیں، جہاں کہیں بھی ہوں اور جو کوئی بھی ہوں۔

حُسن پرستی:

اور کبھی کوئی بیوی کے انتخاب میں محض خوبصورتی کو معیار بنا لیتے ہیں کہ تراش خراش اور نوک پلک دلکش ہو، رنگ و روپ میں جاذبیت ہو، عشوہ وادا کی مجسمہ ہو اور اس کے اعضاء متناسب ہوں، اور صرف یہی نہیں بلکہ جدید روشنی سے آراستہ ہو، شوخ اور بے باک ہو اور زمانہ کے اثر سے پوری متاثر ہو۔

مگر ان خیالات کے وقت سوچتے نہیں کہ یہ کوئی خاص خوبی نہیں۔ اگر اس میں صلاحیت اور سلیقہ نہیں، محض خوبصورتی کوئی معیار نہیں، اگر خوبصورتی کے ساتھ قبولِ سیرت نہ ہو۔ کیونکہ پھر یہ حسن و جمال سراپا فتنہ بن جائے گا، اور یہ حسن بیوی میں تجشّر اور ناز و ضرورت سے زیادہ پیدا کر دے گا، اور وہ فضول خرچ اور متکبر ثابت ہوگی، دوسرے لوگ الگ فتنہ میں ڈالنے کی سعی کریں گے، اور اسی تنہا خوبصورتی کے متعلق ارشاد نبوی ﷺ ہے:

«لا تَرْوِجُوا النِّسَاءَ لِحُسْنِهِنَّ» ”عورتوں سے محض ان کے حسن کی وجہ سے شادی کی خواہش نہ کرو، کیونکہ حسن عموماً ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔“

(ابن ماجہ: باب تزویج ذوات الدین)

❁ معیار دینداری اور ذاتی صلاحیت ہو:

اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شادی کے موقع پر عورت کے انتخاب میں ”دینداری“ کو معیار بناؤ۔ مال و دولت، حسن و جمال اور حسب و نسب ایسی چیزیں نہیں ہیں جن کو اس باب میں معیار قرار دیا جائے بیوی کے انتخاب میں آدمی کا فریضہ ہے کہ وہ اس کی ذاتی صلاحیت اور لائقیت پر نگاہ رکھے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ فرمایا: ”حسن و جمال اور دولت و ثروت“ کی بنیاد پر شادی نہ کیا کرو کہ ان سے جتنے کے اندیشے ہیں البتہ تم دینداری کو وجہ ترجیح بناؤ کہ کالی کلوٹی دیندار عورت بہر حال بہتر ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

”ولکن تزوجوہن علی الدین“ اور لیکن عورتوں سے شادی ان کی دینداری کی بنیاد پر کرو۔ (ابن ماجہ: باب افضل النساء)

بات بھی معقول ہے کہ باصلاحیت اور دیندار بیوی شوہر کے حقوق کا ہر وقت احساس رکھتی ہے شوہر کی خوشنودی اپنا فریضہ سمجھتی ہے اور گھر کے کام ہر حال میں عمدہ انداز سے چلاتی ہے۔ ایسی عورت میں بے جا کبر و غرور نہیں پیدا ہوتا۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کا پورا دھیان رہتا ہے۔ پڑوسیوں، قرابت داروں اور دوسرے لوگوں سے جھگڑا نہیں کرتی۔ خود دوسرے لوگوں کو بھی دیندار اور نیک عورت پر اعتماد ہوتا ہے۔ محلہ پڑوس کے لوگ اس کی عزت کرتے ہیں اور اس طرح شوہر کا گھربا و قارب بن جاتا ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کو چار چیزیں حاصل ہو جائیں اس کو دین و دنیا دونوں کی بہتری حاصل ہو گئی، ایک شکر گزار دل، دوسرے ذاکر زبان، تیسرے مصائب پر صبر کرنے والا بدن اور چوتھے ایسی بیوی جو گناہ سے اجتناب کرنے والی اور شوہر کے مال کی محافظ ہو۔ (ابن ماجہ: باب افضل النساء)

ایک مرتبہ رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”شادی ایسی عورت سے کی

جائے جو اپنے اندر کمال درجہ کا ایمان رکھتی ہو اور آخرت کے لیے معین اور مددگار ثابت ہو۔“ (مفتاح الخطابہ: ص ۱۸۱)

❦ دین اور حسن کا اجتماع:

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنی امت کو ترغیب دیتے کہ دیندار اور خوبصورت عورت سے شادی کیا کریں، الفاظ یہ ہیں:

وكان ﷺ يحرض أمتہ علی النکاح الأبکار الحسان ذوات الدین. (زاد المعاد: ج ۳ ص ۱۳۶)

شادی کرنے کی ترغیب دیتے۔

جو کچھ اوپر لکھا گیا ہے اس سے اتنی بات آسانی سے ثابت ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی خوبصورت عورت سے شادی کرے تو یہ کوئی عیب کی بات نہیں، بلکہ اچھی بات ہے مگر حسن و جمال کو مقصد اصلی قرار نہ دینا چاہئے اور نہ صرف خوبصورتی ہی پر نظر رکھنی چاہئے، بلکہ ساتھ ساتھ اخلاق و اعمال اور سیرت و کردار پر بھی نظر ہونی چاہئے۔

❦ خوبصورتی کا معیار:

پھر واضح رہے کہ خوبصورتی کا مطلب صرف چمڑے اور رنگ و روپ کی خوبصورتی نہیں ہے بلکہ ساتھ ہی سیرت بھی خوب ہو، اخلاق و اعمال پاکیزہ ہوں اور دین میں پختگی بھی ہو، پھر خوبصورتی کا معیار رنگ و روپ میں بھی اپنے طبعی ذوق پر ہے، کسی آدمی کو وہ عورت بھی خوبصورت معلوم ہوتی ہے جو بہتوں کی نگاہ میں بد صورت سمجھی جاتی ہے تو اب اس معاملہ میں دوسروں کی پسند کا اعتبار نہ ہوگا۔

سچی بات پوچھئے تو بہت سے واقعات کی روشنی میں کہنا پڑتا ہے کہ خوبصورتی محبت سے پیدا ہوتی ہے اور موافقت و پسندیدہ سیرت سے واقعات شاہد ہیں کہ محبت و عشق نے رنگ و روپ کی جاذبیت کو غلط ثابت کر دیا ہے، پھر اس وقت اور بھی جب اعمال و اخلاق اچھے نہ ہوں، اس لیے رنگ و روپ پر جان

دینا عقلمندی نہیں ہے ہاں دینداری اور پسندیدہ اعمال و اخلاق کے ساتھ خوبصورتی مل جائے تو نعمت سمجھنا چاہئے۔ (اسلام کا نظام عفت و عصمت: ص ۱۸۰)

﴿ جس عورت کو نکاح کا پیغام دینا ہو اس پر نظر ڈالنا:﴾

مسلمان جب شادی کا عزم کر لے اور کسی مخصوص عورت کو نکاح کا پیغام دینے کا ارادہ کر لے تو نکاح کے سلسلہ میں کوئی قدم اٹھانے سے پہلے وہ اس عورت کو دیکھ سکتا ہے۔ ایسی صورت میں اس عورت پر نظر ڈالنا جائز ہے تاکہ وہ سوچ سمجھ کر قدم اٹھائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آنکھیں بند کر کے چل پڑے اور بعد میں پچھتانے لگے کہ اس مصیبت سے کس طرح چھٹکارا حاصل کیا جاسکتا ہے۔ آنکھیں درحقیقت دل کی پیغامبر ہیں اور آنکھوں کے ملنے سے دل ملنے لگتے ہیں اور ارواح کے درمیان انسیت پیدا ہو جاتی ہے۔ امام مسلمؒ نے حضرت

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ:

”میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص نے آپ ﷺ کو اطلاع دی کہ اس نے انصار کی ایک خاتون سے نکاح کا ارادہ کر لیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا ”تم نے اسے دیکھا ہے؟“ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا: ”جاؤ اور اسے دیکھ لو کیونکہ انصار کی آنکھوں میں کچھ نقص ہوتا ہے۔“

كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَأَتَانَهُ رَجُلٌ فَأَخْبَرَهُ أَنَّهُ تَزَوَّجَ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «أَنْظَرْتُ إِلَيْهَا؟» قَالَ: لَا. قَالَ: «فَاذْهَبْ فَأَنْظُرْ إِلَيْهَا، فَإِنِّي فِي أَعْيُنِ الْأَنْصَارِ شَيْئًا».

(مشکوٰۃ: ص ۲۶۸)

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

انہوں نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا ”اسے دیکھ لو کہ ایسی صورت میں تمہارے

أَنَّهُ خَطَبَ امْرَأَةً فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَنْظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّهُ أَحْرَى أَنْ يُودَمَ بَيْنَكُمَا». فَأَتَى أَبُوبِهَا

ورمیان موافقت پیدا ہو جانے کا قوی امکان ہے۔“ مغیرہ عورت کے والدین کے پاس آئے اور آپ ﷺ کے ارشاد سے ان کو مطلع کیا۔ انہوں نے نامناسب سا خیال کیا۔..... لیکن جب عورت نے پردہ کے اندر سے سنا تو کہا: اگر رسول اللہ ﷺ نے دیکھنے کے لیے کہا ہے تو

فَأَخْبَرَهُمَا بِقَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَكَانَتْهُمَا كَرِهًا ذَلِكَ..... فَسَمِعَتْ ذَلِكَ الْمَرْأَةُ وَهِيَ فِي حِجْرِهَا. فَقَالَتْ: إِنْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَمَرَكَ أَنْ تَنْظُرَ فَاَنْظُرْ..... قَالَ الْمَغِيرَةُ: فَانْظُرْتُ إِلَيْهَا فَتَزَوَّجْتُهَا.

(احمد وابن ماجہ والترمذی وابن حبان والدارمی)

دیکھ لیجئے۔ مغیرہ کہتے ہیں یہ جواب سن کر میں نے اسے دیکھ لیا اور اس سے شادی کر لی۔
مخطوبہ (وہ عورت جس کو شادی کا پیغام دیا جائے) کو کس حد تک دیکھا جا سکتا ہے؟ اس کی کوئی صراحت نبی ﷺ نے نہیں فرمائی ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ چہرے اور ہتھیلیوں کو دیکھا جاسکتا ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس میں پیغام کی کیا خصوصیت ہوئی؟ ان اعضاء پر تو پیغام کے بغیر بھی نظر ڈالی جاسکتی ہے پیغام کے لیے دیکھنے کا جو استثناء ہے اس سے تو یہی متبادر ہوتا ہے کہ عام حالات میں جس حد تک دیکھنا جائز ہے اس سے کچھ زیادہ ہی دیکھنا اس موقع پر جائز ہے۔ حدیث میں آیا ہے:

”جب کوئی شخص کسی عورت کو نکاح کا پیغام دے اور اس کے لیے یہ ممکن ہو کہ اس کو کسی قدر دیکھ لے یعنی جس قدر دیکھنا نکاح کے لیے ضروری ہے تو وہ ایسا کر لے۔“

«إِذَا خَطَبَ أَحَدُكُمْ الْمَرْأَةَ فَقَدِّرْ أَنْ يَنْظُرَ مِنْهَا بَعْضُ مَا يَدْعُوهُ إِلَى نِكَاحِهَا فَلْيَفْعَلْ.»
(مشکوٰۃ ص: ۲۶۸)

ایک طرف بعض علماء اس حد تک رخصت کے قائل ہیں اور دوسری طرف کچھ دوسرے علماء کا اس معاملہ میں مسلک بہت تنگ ہے۔ بہتر صورت

توسط اور اعتدال کی ہے۔ بعض محققین کی رائے میں پیغام دینے والے شخص کو اس حد تک اجازت ہونی چاہئے کہ وہ مخطوبہ کو ایسے لباس میں دیکھے جن میں کہ وہ اپنے باپ بھائی اور دیگر محرموں کے سامنے بلا تکلف آتی ہے بلکہ اس بات کی بھی اجازت ہونی چاہئے کہ مخطوبہ کے فہم ذوق اور امتیازی خصوصیات کا مشاہدہ کرنے کی غرض سے کسی محرم کی معیت میں اس کے ساتھ کسی ایسی جگہ چلا جائے جہاں معمولاً اس مخطوبہ کی آمد و رفت رہتی ہو بشرطیکہ وہ مقام جائز نوعیت کا ہو اور مخطوبہ شرعی لباس میں ہو۔ اس لیے کہ یہ باتیں مذکورہ حدیث ”جس قدر دیکھنا نکاح کے لیے ضروری ہے۔“ کے مفہوم میں شامل ہیں۔

(المرأة بین الیوم والجمع ثلاثا سناذ الہی الخولی: ص ۲۴)

پیغام دینے والا شخص مخطوبہ اور اس کے گھر والوں کو مطلع کر کے بھی اسے دیکھ سکتا ہے اور بغیر اطلاع کے بھی بشرطیکہ ارادہ واقعی پیغام دینے کا ہو۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کے بارے میں کہتے ہیں کہ میں ایک درخت کے پیچھے چھپ کر اسے دیکھنے کی کوشش کرتا تھا۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان باپ کے لیے روا نہیں ہے کہ وہ رسم و رواج کے نام پر اپنی بیٹی کو دیکھنے سے کسی ایسے شخص کو روکے جو واقعی اس کو نکاح کا پیغام دینا چاہتا ہو۔ ضروری ہے کہ رسم و رواج شریعت کے تابع رہیں۔ شریعت کو رسم و رواج کے تابع کرنا بڑی غلط بات ہے۔

اسی طرح یہ بات بھی جائز نہیں ہے نہ باپ کے لیے اور نہ پیغام دینے والے کے لیے اور نہ ہی مخطوبہ کے لیے کہ وہ رخصت سے فائدہ اٹھا کر کسی نوجوان لڑکے یا لڑکی کے گلے میں ہاتھ ڈالیں اور پیغام کے نام پر تھیٹروں، تفریح گاہوں اور بازاروں کی سیر کریں اور ساتھ میں کوئی محرم بھی نہ ہو۔ آج کل مغربی تہذیب کے دلدادہ ایسے طریقے اختیار کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ انتہا پسندی خواہ وہ دائیں جانب ہو یا بائیں جانب اسلام کے مزاج سے قطعاً مناسبت نہیں رکھتی۔

پیغام دینے کی حرام صورتیں:

مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی ایسی عورت کو نکاح کا پیغام دے جو طلاق یا شوہر کی وفات کی عدت گزار رہی ہو۔ چونکہ عدت کی مدت سابق رشتہ زوجیت کے احترام کے لیے ہوتی ہے اس لیے اس معاملہ میں زیادتی کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ جس عورت کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو دورانِ عدت اس کے ذہن میں یہ بات اشارے کنایہ میں ڈال سکتا ہے کہ وہ نکاح کے لیے آمادہ ہے مگر صراحت کے ساتھ وہ پیغام نہیں دے سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةٍ﴾ کہ پیغام نکاح کی بات اشارہ کنایہ میں کہو۔“ (البقرة)

دوسری بات یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کے پیغام پر پیغام دینا حرام ہے جبکہ بات چیت کامیابی کے مرحلہ میں پہنچ گئی ہو۔ کیونکہ جس شخص نے پہلے پیغام دیا ہے اس کو ایک قسم کا حق حاصل ہو گیا ہے جس کا خیال رکھنا چاہئے۔ نیز لوگوں کے ساتھ تعلقات کی بہتری اور خلاف مروت کام کرنے سے احتراز کے پیش نظر بھی ایسا کرنا ضروری ہے ورنہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پہلے شخص کا حق چھین لیا گیا اور یہ ایک طرح کی زیادتی ہوگی۔ لیکن اگر پہلا شخص جس نے پیغام دیا ہے اپنا ارادہ ترک کر دے یا خود ہی دوسرے شخص کو پیغام کی اجازت دیدے تو ایسی صورت میں دوسرے شخص کے پیغام دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«الْمُؤْمِنُ أَخُو الْمُؤْمِنِ فَلَا يَحِلُّ لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يَتَتَعَ عَلَى مُؤْمِنٍ مُؤْمِنٍ» کہ مومن کا بھائی ہے۔ کسی مومن کے لیے جائز نہیں کہ اپنے

بھائی کے سودے پر سودا کرے اور نہ
یہ بات جائز ہے کہ اپنے بھائی کے
پیغام پر پیغام دے۔“

نیز فرمایا:

”کوئی شخص کسی کے پیغام پر پیغام نہ
دے تا وقتیکہ جس نے پیغام دیا ہے
وہ اپنا ارادہ ترک نہ کرے یا دوسرے
شخص کو اجازت نہ دے۔“

نکاح کے لیے ولی کی شرط

ولی عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لیے اردو میں سرپرست و منتظم دوست
و مددگار وغیرہ استعمال ہوتا ہے۔ لیکن ہر طرح کا سرپرست اسلامی نکتہ نظر سے
عورت کا ولی نہیں بن سکتا بلکہ اسلام صرف اس سرپرست کو عورت کا ولی تسلیم کرتا
ہے جو عورت کا دیگر رشتہ داروں کے مقابلہ میں سب سے قریبی ہو اور چونکہ
عورت کا باپ، خونی و نسبی تعلق کی وجہ سے بیٹی کے نکاح کا سب سے بڑا ذمہ دار
ہوتا ہے اس لیے لڑکی کا ولی اس کا باپ ہے۔ لیکن اگر بالفرض عورت کا باپ نہ ہو
تو پھر اس کا دادا اور پڑدادا ولایت کے حقدار قرار پاتے ہیں۔ اگر یہ بھی نہ ہوں تو
پھر عورت کے بھائی، پھر چچا اور ماموں وغیرہ عورت کے ولی بننے کے مستحق ہیں۔
حتیٰ کہ بعض صورتوں میں اگر عورت مطلقہ اور اس کے بیٹے بالغ ہوں تو بیٹے اپنی
والدہ کے نکاح ثانی کے لیے ولی بن سکتے ہیں۔ اور اگر بالفرض کسی عورت کا کوئی
ولی نہ ہو تو پھر حاکم وقت اس عورت کے ولی کی حیثیت رکھتا ہے جیسا کہ حدیث
نبوی ﷺ ہے:

«فالسُّلْطَانُ وَلِيٌّ مِنْ لَا وَلِيَّ لَهُ»۔ ”حاکم وقت اس عورت کا ولی ہوگا جس کا کوئی ولی نہ ہو۔“ (ابوداؤد ص:.....)

عورت خواہ بالغ ہو یا نابالغ، باکرہ ہو یا ثیبہ، مطلقہ ہو یا بیوہ بہر صورت اس کے نکاح کی درستگی کے لیے اس کے ولی کی موجودگی یا رضامندی ضروری ہے۔ جیسا کہ درج ذیل دلائل سے ثابت ہے۔

❦ عورت کے نکاح کے لیے اس کے ولی کی رضامندی ضروری ہے:

قرآنی دلائل:

﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا وَلَا مِمَّنْ مُشْرِكٍ وَلَا مُشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعَجَبْتُمْ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا وَلَعَبَدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعَجَبَكُمْ أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ وَبَيِّنَ الْبَيِّنَاتِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۲۲۱﴾﴾ (البقرة)

”اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ ایک مومن لونڈی آزاد مشرکہ (عورت) سے بہتر ہے اگرچہ وہ (آزاد مشرکہ عورت) تمہیں بھلی لگے۔ اور مشرک مردوں سے (اپنی عورتوں کا) نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ ایک مومن غلام آزاد مشرک آدمی سے بہتر ہے خواہ تمہیں وہ (آزاد مشرک آدمی) کتنا

ہی (اچھا لگے۔ یہ مشرک لوگ تو تمہیں جہنم کی طرف بلاتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ اپنے اذن سے تمہیں جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے اور وہ اپنے احکام اسی انداز سے کھول کھول کر لوگوں کے لیے بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔“

اس آیت میں مسلمانوں کو مشرک مردوں اور مشرک عورتوں سے نکاح کرنے سے منع کیا گیا ہے اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ مسلمان مردوں کے لیے تو

اللہ تعالیٰ نے یہ انداز اختیار فرمایا ہے کہ تم بذات خود مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو تا وقتیکہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ مگر مسلمان عورتوں کے لیے مشرک مردوں سے نکاح نہ کرنے کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ انداز اختیار نہیں کیا کہ ”عورتو! تم بھی مشرک مردوں سے نکاح نہ کرو۔“ بلکہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے اولیاء کو خطاب فرمایا اور حکم دیا کہ تم مسلمان عورتوں کا نکاح مشرک مردوں سے نہ کرو تا وقتیکہ وہ مسلمان ہو جائیں۔

قرآن مجید کے اس انداز بیان سے واضح ہو جاتا ہے کہ مسلمان عورت اپنے نکاح کا معاملہ از خود طے نہیں کر سکتی بلکہ اس کے نکاح کا معاملہ اس کے ولی کی وساطت و رضامندی ہی سے طے پائے گا۔ جیسا کہ امام قرطبیؒ اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ:

”فی هذه الآية دليل بالنص على أن لا نکاح إلا بولی“
 (تفسیر قرطبی: ۴/۴۹)
 ”یہ آیت بطور نص اس بات کی دلیل ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر (عورت کا) نکاح صحیح نہیں۔“

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اس آیت کی روشنی میں رقمطراز ہیں کہ:

”فخطب الرجال یا نکاح“
 (مجموع الفتاویٰ: ۳۲/۱۳۳)
 ”بے نکاحوں کے نکاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے آدمیوں کو مخاطب کیا ہے۔“

ابوبکر بن العربیؒ اپنی کتاب امام محمد بن علی حسین (ابو جعفر) کے حوالہ سے رقمطراز ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نکاح ولی کی اجازت کے ساتھ (مشروط) ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ:

”وهی مسألة بدیعة ودلالة“
 (احکام القرآن: ۶/۱۵۸)
 ”یعنی ولایت نکاح کا مسئلہ انوکھی صحیحہ“۔ اہمیت کا حامل ہے اور اس آیت سے ولی کی اجازت کے ضروری ہونے کا استدلال کرنا صحیح ہے۔“

”وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَبَّغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ اَنْ يَنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ذَلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَمْ اَرْكَى لَكُمْ وَاَطْهَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ“ (البقرة)

”نیز جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو انہیں اپنے پہلے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جبکہ وہ معروف طریقے سے آپس میں نکاح کرنے پر راضی ہوں۔ جو کوئی تم میں سے اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے اسی بات کی نصیحت کی جاتی ہے یہی تمہارے لیے شائستہ اور پاکیزہ ہے (اور اپنے احکام کی حکمت) اللہ ہی جانتا ہے تم نہیں جانتے۔“

اس آیت کے شان نزول کے حوالہ سے صحیح بخاری میں حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

”یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی، میں نے اپنی بہن کا نکاح ایک آدمی سے کیا اور کچھ عرصہ کے بعد اس نے میری بہن کو طلاق دے دی۔ حتیٰ کہ جب عدت گزر گئی تو اس نے دوبارہ نکاح کا پیغام بھیجا جس پر میں نے اس سے کہا کہ میں نے اس کا تیرے ساتھ نکاح کیا، اس کو تیرا بستر بنایا اور تیری عزت و تکریم کی، مگر تو نے اسے طلاق دے دی اور اب پھر تو نکاح کے ارادے سے آ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! اب وہ تیری طرف کبھی نہ لوٹے گی۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ آدمی برا نہیں تھا اور میری بہن اس کے ساتھ رجوع بھی کرنا چاہتی تھی۔ (مگر میرے ولی ہونے کے ناطے اس سے انکار کرنے لگی) پھر یہ آیت (مذکورہ بالا) نازل ہوئی اور میں نے کہا: اے

اللہ کے رسول! اب میں ان کا آپس میں نکاح کر دوں گا۔
چنانچہ میں نے اس آدمی کے ساتھ اپنی بہن کا دوبارہ نکاح کر
دیا۔“ (بخاری، کتاب النکاح)

حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ:
”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بقول یہ آیت اس شخص
کے بارے میں نازل ہوئی جو اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاقیں
(رجعی) دیتا ہے اور عورت کی عدت گزر جانے پر اسے احساس
ہوتا ہے کہ وہ شادی کے ذریعے رجوع کر لے اور خود مطلقہ عورت
بھی رجوع کے لیے تیار ہو۔ مگر اس کے اولیاء رکاوٹ ڈالتے
چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اولیاء کو رکاوٹ ڈالنے سے منع کیا
ہے۔۔۔۔۔ اس آیت میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ عورت خود
اپنا نکاح نہیں کر سکتی بلکہ ولی کی اجازت بہر صورت ضروری
ہے۔“ (تفسیر ابن کثیر: ۱/۴۲۲)

﴿وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ﴾ (۴۲) ”اور تمہارے اندر جو بے شوہر ہیں
(النور) ان کے نکاح کر دو۔“

اس آیت میں بھی عورت کے اولیاء کو خطاب ہے کہ وہ باکرہ مطلقہ یا بیوہ
عورتوں کے نکاح کا بندوبست کریں جیسا کہ امام بغویؒ اس آیت کی تفسیر میں
رقمطراز ہیں کہ:

”اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ بے شوہر عورتوں کی
شادی کا بندوبست کرنا اولیاء کی ذمہ داری ہے کیونکہ نکاح کے
حوالہ سے اللہ تعالیٰ نے عورتوں (کی بجائے) ان کے اولیاء ہی کو
مخاطب فرمایا ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے غلام اور لونڈی کی شادی
کی ذمہ داری ان کے آقاؤں پر ہے۔۔۔۔۔ اور یہی اکثر اہل علم

صحابہ کرام اور ان کے مابعد کے لوگوں کا قول ہے۔“ (ہدیۃ العروس)

نکاح کے لیے اعلان:

نسبت طے ہو جانے کے بعد نکاح کے لیے دن، تاریخ اور وقت اور مقام کا اعلان کر دینا چاہئے، نکاح کے لیے تشہیر مستحب ہے، چنانچہ حدیث ملاحظہ ہو:

عن عائشة قالت: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «أَعْلِنُوا هَذَا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوهُ فِي الْمَسَاجِدِ وَأَضْرِبُوا عَلَيْهِ بِاللُّفُوفِ». (مشکوٰۃ: ۲۷۲)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”نکاح با اعلان کیا کرو اور مسجدوں میں کیا کرو اور دف بجوایا کرو۔“

رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت کا مقصد بظاہر یہی ہے کہ نکاح چوری چھپے نہ ہو اس میں بڑے مفاسد کا خطرہ ہے، لہذا با اعلان کیا جائے۔ اور اس کے لیے آسان اور بہتر یہ ہے کہ مسجد میں کیا جائے، مسجد کی برکت بھی حاصل ہوگی اور لوگوں کو جمع کرنے جوڑنے کی زحمت بھی نہ ہوگی، گواہوں، شاہدوں کی شرط بھی آپ سے آپ پوری ہو جائے گی۔

نکاح کے لیے شہادت ضروری ہے:

شہادت عقد نکاح کے صحیح ہونے کی ایک شرط ہے، گواہوں کی تعداد کم سے کم دو ہوں۔ دونوں کا مرد ہونا ضروری ہے۔ ایک شخص کی گواہی سے نکاح درست نہ ہوگا۔ دو عورتوں کی گواہی سے بھی نکاح درست نہ ہوگا۔ دو عورتوں کے ساتھ ایک مرد کی گواہی ضروری ہے۔

عن ابن عباس أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «الْبَغَايَا الَّتِي يَنْكِحُنَ أَنْفُسَهُنَّ بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ». (مشکوٰۃ: ۲۷۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ”جو عورتیں اپنا نکاح شاہد گواہ کے بغیر (چوری چھپے) کر لیں وہ حرام کار ہیں۔“

اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً بھی روایت کیا ہے۔ جس طرح کہ یہاں نقل کیا گیا ہے اور موقوفاً بھی روایت کیا ہے یعنی یہ کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نہیں بلکہ خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول اور فتویٰ ہے۔ اور سند کے لحاظ سے اسی کو ترجیح ہے۔ لیکن اگر یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بھی ہو تو ظاہر ہے کہ وہ آپ ﷺ سے سنے بغیر ایسی بات اپنی طرف سے نہیں کہہ سکتے۔ اس لیے فقہاء اور محدثین کے مسلمہ اصول پر یہ مرفوع ہی کے حکم میں ہے۔ اسی وجہ سے امت کے قریب قریب تمام ائمہ مجتہدین اس پر متفق ہیں کہ شہادت نکاح کے شرائط میں سے ہے جس کے بغیر نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا۔

❦ شرائطِ نکاح:

عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”احسن شرط کہ جس کو تم وفا کرو وہ شرطیں ہیں جس سے تم نے فرج کو حلال کیا ہے۔“ مراد اس سے یا تو مہر ہے یا تمام وہ شروط ہیں جن کی ترغیب دے کر نکاح کیا ہے یا وہ باتیں ہیں جن کی عورت مقتضائے زوجیت مستحق ہے ورنہ ایسی شرطیں جو شرع کے خلاف ہیں ان کا پورا کرنا لازم نہیں۔

❦ مقامِ نکاح:

جس طرح شادی بیاہ کا کوئی خاص وقت مقرر نہیں کہ دن یا رات کے فلاں فلاں اوقات ہی میں شادی کی جائے اسی طرح شادی بیاہ کے لیے شریعت نے خاص جگہ کی پابندی بھی عائد نہیں کی بلکہ گھر، مسجد، کھلے میدان یا ہوٹل وغیرہ میں جہاں بآسانی شادی کا انتظام ہو سکتا ہے وہاں شادی بیاہ کا انعقاد کیا جاسکتا ہے۔ آپ ﷺ نے مکہ میں رہتے ہوئے بھی شادی کی (مثلاً حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی) اسی طرح مدینہ میں اقامت کے بعد جائے رہائش پر شادیاں کیں۔ حالت سفر میں کھلے میدان میں بھی شادی کی (مثلاً خیبر کے موقع پر

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے شادی) مسجد میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شادیاں کیں۔ بعض لوگ مسجد ہی میں نکاح کو ضروری قرار دیتے ہیں اور اس کی دلیل کے لیے یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«أعلنوا هذا النكاح واجعلوه في المساجد واضربوا عليه بالدف» (مشکوٰۃ: ۲۷۲) بجاؤ۔“

لیکن شیخ البانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس حدیث کا پہلا فقرہ یعنی نکاح اعلان کرے کیا جائے تو صحیح ہے، لیکن دوسرا فقرہ صحیح نہیں ہے۔ (ارواء الغلیل حدیث: ۱۹۹۳، وسلسلۃ الاحادیث الضعیفہ حدیث: ۹۷۸، وضعیف الجامع: ۹۶۶)

اس لیے مساجد میں نکاح کرنا ضروری ہے نہ اسے سنت ہی کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ کے زمانے میں اس کی کوئی اصل نہیں ملتی۔ اور اس سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عہد رسالت میں نکاح کی تقریب کو اتنی اہمیت کبھی نہیں دی گئی جو آج کل ہمارے معاشرے میں اسے حاصل ہے۔ عہد نبوی میں یہ ایک مختصر سی گھریلو تقریب ہوتی تھی جس میں خاندان کے لوگ شامل ہوتے تھے نہ دوست احباب۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ اس موقع پر نبی ﷺ تک کو نکاح کی تقریب میں شریک نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے کپڑوں میں کچھ زردی سی لگی ہوئی دیکھی تو پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے وضاحت کی کہ میں نے شادی کر لی ہے۔ (صحیح بخاری النکاح)

اس سے معلوم ہوا کہ شادی کے موقع پر خاندان اور برادری اور دوست احباب کو جمع کرنا یہ بھی ایک قابل اصلاح رسم ہے اس کی بھی کوئی بنیاد رسول اللہ ﷺ کے قول یا عمل میں نہیں ملتی۔

❦ لڑکی کے گھر برات لیجانا:

لڑکی کے گھر لمبی چوڑی برات لے کر جانا ہندوؤں کی رسم ہے برصغیر میں

عرصہ دراز تک مسلمان ہندوؤں کے ساتھ اکٹھے رہے ہیں اس لیے ہندوؤں کی بہت سی رسمیں مسلمانوں میں بھی آگئی ہیں۔ برات لیجانا بھی ہندوؤں کی ہی رسم ہے۔ کتاب و سنت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ لڑکی والوں کو ایسی برات کو کھانا کھانا بھی ضروری نہیں ہے۔ البتہ لڑکی کو لانے کے لیے جو پانچ سات آدمی جائیں جو انتہائی قریبی ہوں ان کو بحیثیت مہمان کے کھانا کھایا جاسکتا ہے اور ان کی آؤ بھگت کی جاسکتی ہے، لمبی چوڑی برات کے لیے ثبوت نہیں۔

نکاح کے لیے بلاوا:

نکاح کے وقت اپنے قریبی اعزہ اور احباب کو بلا لینا پسندیدہ ہے، لیکن لازم نہیں ہے۔ نبی ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے موقع پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ جاؤ ابو بکر، عمر، عثمان، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کو اور انصار کے کچھ لوگوں کو بلا لاؤ، چنانچہ ان ہی کے سامنے آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ یہ نمونہ ہے ہمارے لیے اس میں نہ تو بلانے والے کو کچھ کرنا ضروری ہوتا ہے اور نہ آنے والوں کو زحمت ہوتی ہے اس سے زیادہ اگر کچھ کیا جائے گا تو اس میں زحمت بھی ہوگی اور اسوۂ حسنہ کی پیروی نہ ہو پائے گی۔

ولی کو لڑکی سے اجازت لینے کا طریقہ:

بالغہ لڑکی کا ولی دو گواہوں کے سامنے ان الفاظ کے ساتھ اجازت لے لے کہ ”میں تمہارا نکاح فلاں لڑکے سے اتنے مہر مجمل یا مؤجل پر پڑھانا چاہتا ہوں، تم اجازت دیتی ہو یا تم نے اجازت دی۔“ اگر لڑکے کے بارے میں لڑکی کو پہلے نہیں بتایا جا چکا ہے تو اذن لیتے وقت پورا تعارف کر دینا چاہئے تاکہ وہ اچھی طرح سمجھ لے کہ کون اور کیسا آدمی ہے۔ کنواری لڑکی کا خاموش ہو جانا آنسو بہا دینا یا ہاں ہوں کر دینا اس کی اجازت سمجھی جائے گی۔ اور اگر کنواری نہیں ہے، یعنی ایک شادی بلوغ کی حالت میں پہلے ہو چکی تھی تو پھر اسے صراحتہ ”مجھے منظور ہے۔“ ”میں اجازت دیتی ہوں۔“ کہنا چاہئے۔ نابالغہ لڑکی سے ولی کو پوچھنے کی

ضرورت نہیں ہے، ولی اپنی صوابدید سے نکاح پڑھا سکتا ہے۔

❦ **وکیل کے ذریعے اجازت لینا:**

ولی اگر کسی آدمی کو وکیل بنا دے کہ تم اجازت لے کر نکاح پڑھا دو تو وکیل کو بھی دو گواہوں کے سامنے انہی الفاظ کے ساتھ اجازت لینا چاہئے جیسے اوپر بیان ہوئے اور بالغ بیوہ سے صراحتہ اجازت لے لینا چاہئے، خاموشی یا رو دینا کافی نہیں ہے۔

ولی یا وکیل کے ساتھ گواہوں کو بھی الفاظ (اجازت کے) سننا چاہئیں۔ عام طور پر پہلے لڑکی سے اجازت لی جاتی ہے اور پھر لڑکے سے قبول کروایا جاتا ہے۔ لیکن اگر کہیں اس کے برعکس صورت واقع ہو۔ یعنی لڑکے سے پہلے ایجاب کرایا جائے تو بالغ اور سمجھدار لڑکے سے صریح الفاظ کے ساتھ ایجاب قابل اعتبار ہوگا ورنہ نہیں، البتہ اگر لڑکا نابالغ اور نا سمجھ ہے تو ولی کی اجازت کافی ہے۔

❦ **قبول کرنے کا طریقہ:**

جس طرح دو گواہوں کے سامنے اجازت لے گئی ہے اسی طرح دو گواہوں کی موجودگی میں قبول بھی ہونا چاہئے۔ قبول کا طریقہ یہ ہے کہ لڑکے یا لڑکی سے یہ کہا جائے کہ میں فلاں لڑکے یا لڑکی کا نکاح اتنے مہر پر تمہارے ساتھ کر رہا ہوں۔ تم نے اسے قبول کیا؟ جواب میں صاف صاف کہنا چاہئے کہ میں نے قبول کیا۔ تین بار قبول کروانا لازم نہیں ہے، ایک ہی بار کافی ہے۔

مہر کا ذکر کھڑتے وقت مغل (فوراً ادا ہونے والا) یا مؤجل (بعد میں ادا ہونے والا) اور سکے کا نام یعنی اتنے روپے اتنے ڈالریا اتنے ریال یا اتنا سونا یا اتنی چاندی کی صراحت کر دینا چاہئے۔

❦ **خطبہ نکاح:**

ہر نیک کام کا آغاز اللہ کے نام یا اس کی حمد و ثنا سے کرنا مستحب اور

پسندیدہ ہے۔ چنانچہ اس خطبہ حاجت کا آغاز بھی جسے نکاح کے موقع پر بھی پڑھا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا سے کیا گیا ہے۔ اس کا فائدہ یہی ہے کہ اس میں اللہ کی مدد شامل ہو جائے کیونکہ اس کی مدد کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ جب اس کی مدد اور مشیت کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا تو کیا یہ بہتر نہیں کہ انسان اس طریقے سے کام کا آغاز کرے جس سے یہ معلوم ہو کہ وہ اللہ کی مدد کا طالب ہے؟ ارادۃ اور نبیۃ اللہ کی مدد کا طالب ہونا نہایت مستحسن عمل ہے اسی مستحسن عمل یعنی اللہ کی حمد و ثنا سے خطبہ نکاح کا آغاز کیا جاتا ہے جس سے مقصد اس نہایت اہم موقع پر اللہ کی مدد کا حصول ہے۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ.
(أَمَّا بَعْدُ: فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحَدَّثَاتُهَا وَكُلُّ مُحَدَّثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ.)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۱۰۲﴾ (آل عمران)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ﴿۱﴾ (النساء)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿۷۰﴾ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ

وَرَسُولُهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿۱۷۱﴾ (الأحزاب)

”بلاشبہ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، ہم اس کی تعریف کرتے ہیں، اس سے مدد مانگتے ہیں اور اس سے بخشش طلب کرتے ہیں، نیز ہم اپنے نفس کے شر اور اعمال کی خرابی سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ حاصل کرتے ہیں، کیونکہ جسے اللہ راہ دکھائے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ اپنے در سے دھتکار دے اس کے لیے کوئی رہنمائی کرنے والا نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ معبود برحق صرف اللہ ہے وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔“

”حمد و صلوٰۃ کے بعد! یقیناً تمام باتوں سے بہتر بات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور تمام طریقوں سے بہتر طریقہ محمد ﷺ کا ہے اور تمام کاموں سے بدترین کام وہ ہے جو (اللہ کے دین میں) اپنی طرف سے نکالے جائیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔“

”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا۔ اور (پھر) اس جان سے اس کی بیوی کو بنایا اور (پھر) ان دونوں سے بہت مرد اور عورتیں پیدا کیں اور انہیں (زمین پر) پھیلایا۔ اللہ سے ڈرتے رہو جس کے ذریعے سے (جس کے نام پر) تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتوں (کو) قطع کرنے) سے ڈرو۔ (بچو) بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری نگرانی کر رہا ہے۔“

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ایسی بات کہو کہ جو محکم (سیدھی اور سچی) ہو۔ اللہ تمہارے اعمال کی اصلاح اور تمہارے گناہوں کو معاف فرمادے گا اور جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تو اس نے بڑی کامیابی حاصل کر لی۔“

تنبیہات: بریکٹ والا حصہ خطبہ حاجت خطبہ نکاح کا حصہ نہیں ہے بلکہ اسے نبی ﷺ نے خطبہ جمعہ اور عیدین میں پڑھا ہے۔ تاہم روایات میں اسے تشہد کے بعد پڑھنے کا ذکر ہے۔ (ملاحظہ ہو مسند احمد ۳/۳۱۹ صحیح مسلم: حدیث: ۸۶۷ خطبہ الحاجۃ للابانی ص: ۳۰)

✽ خطبہ نکاح میں (تُؤْمِنُ بِهِ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ) کے الفاظ صحیح احادیث میں موجود نہیں ہیں۔

✽ احادیث صحیحہ میں (نَشْهَدُ) جمع کا صیغہ نہیں بلکہ (أَشْهَدُ) واحد کا صیغہ ہے۔

✽ یہ خطبہ نکاح جمعہ اور عام وعظ وارشاد یا درس و تدریس کے موقع پر پڑھا جاتا ہے۔ اسے خطبہ حاجت کہتے ہیں اسے پڑھ کر آدمی اپنی حاجت و ضرورت بیان کرے۔

✽ خطبہ کے بغیر نکاح بے برکت رہتا ہے:

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: «كُلُّ خُطْبَةٍ لَيْسَ فِيهَا تَشْهَدُ فِيهِ كَالْيَدِ الْجَذْمَاءِ». (مشکوٰۃ ص: ۲۷۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس خطبہ میں تشہد (یعنی اللہ کی حمد و ثنا) نہ ہو وہ کٹے ہوئے ہاتھ کی طرح ہے۔“

مطلب یہ ہے کہ جس طرح کٹا ہوا ہاتھ بے فائدہ ہوتا ہے کہ وہ ایسے ہاتھ والا اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا اسی طرح خطبہ کے بغیر نکاح بھی بے فائدہ ہے کہ وہ خیر و برکت سے خالی رہتا ہے۔

ملا علی قاریؒ نے اپنی شرح میں لفظ ”خطبہ“ کو ”خ“ کے زیر کے ساتھ لکھا ہے اور اس کے معنی ”تزوج“ یعنی نکاح کرنا بیان کئے ہیں۔ جبکہ حضرت مولانا شاہ اسحق دہلویؒ نے کہا ہے کہ ہم نے اپنے اساتذہ سے اس لفظ کو ”خ“ کے پیش کے ساتھ یعنی خطبہ سنا ہے اور حضرت شیخ عبدالحق دہلویؒ کے کلام سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے۔

وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: **«كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ لَا يَبْدَأُ فِيهِ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ فَهُوَ أَقْطَعُ»**.
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس اہم اور عظیم الشان کام کو اللہ کی حمد و ثناء کے بغیر شروع کیا جائے وہ بے برکت ہوتا ہے۔“

❁ نکاح کے بعد مبارکباد اور دُعا:

دنیا کی مختلف قوموں اور گروہوں میں شادی اور نکاح کے موقع پر مبارکبادی کے مختلف طریقے رائج ہیں، رسول اللہ ﷺ نے اس موقع کے لیے اپنی تعلیم اور عمل سے یہ طریقہ مقرر فرمایا کہ دونوں کے لیے اللہ سے برکت کی دعا کی جائے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو بھرپور خیر اور بھلائی نصیب فرمائے اور اپنے کرم کے بادل برسائے۔

عن أبي هريرة أن النبي ﷺ قَالَ: **«إِذَا رَفَاَ الْإِنْسَانُ إِذَا تَزَوَّجَ بَارَكَ اللَّهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكُمَا وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ»** (مشکوٰۃ ص ۲۱۵)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی ایسے آدمی کو جس نے شادی کی ہوئی مبارکباد دیتے تو یوں فرماتے: ”اللہ تم کو مبارک کرے تم دونوں پر

برکت نازل فرمائے اور خیر اور بھلائی میں تم دونوں کو ہمیشہ متفق اور مجتمع رکھے۔“
حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص

عن النبی ﷺ قال: «إِذَا تَزَوَّجَ أَحَدُكُمْ امْرَأَةً أَوْ اشْتَرَى خَادِمًا فَلْيَقُلْ: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ»» (مشکوٰۃ: ص ۲۱۵)

ﷺ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: جب کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرے یا خدمت کرنے والا غلام یا باندی خریدے تو یہ دعا کرے: ”اے اللہ! اس میں جو خیر اور بھلائی

ہے اور تو نے اس کی فطرت میں جو خیر اور بھلائی رکھی ہے میں تجھ سے اس کا سائل ہوں وہ مجھے نصیب فرما۔ اور اس کے شر سے اور اس کی فطرت کے شر سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں، تو اس سے میری حفاظت فرما۔“

شادی اور نکاح انسان کی نفسانی شہوت کی تسکین کا ذریعہ ہے لیکن رسول اللہ ﷺ نے یہ دعائیں تعلیم فرما کر اس کو بھی قرب الہی کا وسیلہ اور ایک نورانی عمل بنادیا۔

کسی بھی اہم موقع پر ایک بندہ کو اللہ کے حضور میں اپنی بندگی اور نیاز مندی و وفاداری کے اظہار کے لیے بارگاہ الہی میں جو کچھ عرض کرنا چاہئے وہ سب اس خطبہ کے ابتدائی حصہ میں آ گیا ہے اور آخر میں جو تین آیتیں ہیں وہ بندہ کی ہدایت کے لیے بالکل کافی ہیں۔ یہ خطبہ عقد نکاح سے پہلے پڑھا جاتا ہے بلکہ اسی مقدس خطبہ سے نکاح کی کارروائی کا آغاز ہوتا ہے۔ افسوس یہ خطبہ پڑھنا بھی اب ایک رسم بن کر رہ گیا ہے ورنہ اس میں وہ سب کچھ موجود ہے جس کی نصیحت اور یاد دہانی کی نکاح کے فریقین کو اور سب ہی کو ضرورت ہوتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس خطبہ ہی پر عمل نصیب فرمادے تو دنیا اور آخرت میں اعلیٰ سے اعلیٰ کامیابی کے لیے کافی ہے۔

نکاح بیٹھ کر پڑھانا سلف کا اور مشائخین کا طریقہ رہا ہے۔ (غنیۃ الطالبین)

اگرچہ کھڑا ہو کر خطبہ دینے میں ممانعت نہیں ہے، متولی نکاح یا قاضی یا اور

کوئی شخص دولہا کو سامنے بٹھا کر یا برابر میں بٹھا کر یہ کہے کہ میں نے فلاں لڑکی فلاں کی بیٹی مقابلہ اتنے مہر کے تیرے ساتھ نکاح کر دی دولہا جواب میں کہے میں نے قبول کی تو نکاح ہو گیا۔

نکاح میں ایجاب و قبول نکاح کے رکن ہیں۔ اگر ایجاب نہ ہوا۔ اور قبول پایا گیا یا ایجاب ہوا اور قبول نہ ہوا تو نکاح صحیح نہ ہوگا۔ انعقاد نکاح کے وقت جو لفظ پہلے بولا جائے وہی ایجاب ہے۔ خواہ عورت کی طرف سے ہو یا مرد کی اور اس کے جواب کو قبول کہتے ہیں۔ نکاح بلا خطبہ بھی درست ہے مگر خلاف سنت ہے۔

کفو و ولایت

کفو کے معنی مساوات و مماثلت کے ہیں یہ مساوات صرف دین میں معتبر ہے نہ ذات پات میں۔ (سل السلام: ۱۲۹/۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”اے لوگو! ہم نے پیدا کیا تم کو ایک مرد و عورت سے اور تم میں گروہ گروہ بنا دیے (اس لیے کہ تم دنیاوی معاملات میں) ایک دوسرے سے تمیز کیے جا سکو بے شک اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب اور پیارا از روئے قربت کے تم میں سے وہ ہے جو زیادہ متقی ہو۔“

”مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔“

”مومن اور مومنہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔“

”میں نہیں ضائع کروں گا عامل کے

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (الحجرات)

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾. (الحدیث)

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ﴾

”فَاِذَا نَفَخَ فِي الصُّوْرِ فَلَا اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُوْنَ“
 ”جس دن صور پھونکا جائے گا اس دن نہ تو ذاتیں ہوں گی اور نہ آپس میں پوچھنا رہے گا۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر سفید کو سیاہ پر اور سیاہ کو سفید پر کسی کو فضیلت و بزرگی نہیں مگر بوجہ تقویٰ اور پرہیزگاری کے کیونکہ تم سب آدم زاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے ہیں۔ (سبل السلام ۳/۱۲۹)

فتح مکہ کے دن آپ ﷺ نے وعظ فرمایا کہ مومن متقی اللہ کے نزدیک بزرگ ہے اور فاسق فاجر اللہ کے نزدیک ذلیل ہے۔ (سبل السلام ۳/۱۲۹)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ باوجود غلام ہونے کے مقبول بارگاہ خدا ہوئے، ابو جہل باوجود نجیب القوم ہونے کے ذلیل ہوا۔ بلال رضی اللہ عنہ کی کم ذات ہونے نے اثر نہ کیا اور ابو جہل کی نجابت و شرافت کچھ کام نہ دے سکی۔

رسول اللہ ﷺ کی سگی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش خاندان بنی اسد بن خزیمہ سے تھیں۔ جن کی عزت و رفعت شان معلوم و معروف ہے مگر ان کا نکاح زید غلام سے ہوا تھا۔

ابوہند جن کا نام یہاں تھا، آپ ﷺ کے حجام تھے، مگر آپ ﷺ نے ان کے نکاح کا پیغام بنی بیاضہ کے قبیلہ میں بھیجا تھا۔ حالانکہ یہ غلام تھے اور وہ مشہور خاندان کی خاتون تھیں۔ (زاد المعاد ۵/۱۵۹)

فاطمہ بنت قیس قرشیہ، فہرۃ خاندان قریش سے تھیں، مگر آپ ﷺ کے مشورہ سے ان کا نکاح اسامہ بن زید غلام زادہ سے ہوا تھا۔ (سبل السلام ۱۲۹/۳)

ہالہ بنت عوف جو کہ ہمیشہ عبد الرحمن کی تھیں اور بڑے معروف خاندان کی صاحبزادی تھیں۔ مگر ان کا نکاح حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ (سبل السلام ۱۲۹/۳)

غرضیکہ کفو کا لحاظ محض دین میں ہے، ابن قیم فرماتے ہیں ”مالدار حسب نسب والی عورت کا نکاح غلام دیندار کے ساتھ جائز ہے اور قریشی عورت کا غیر قریشی و نیز غیر ہاشمی کا ہاشمی کے ساتھ بلکہ ایک فقیر دیندار مسلمان کے ساتھ عورت مال دار کا نکاح بلاشبہ جائز ہے۔“ (زاد المعاد ۵/۱۵۹)

✽ نسب میں کفو دیکھنے کا طریقہ:

اسلام میں نسب کا اعتبار باپ کی طرف سے ہوتا ہے، ماں کی طرف سے نہیں، باپ دادا کا خاندان لڑکا اور لڑکی کا خاندان ہے۔ جو لوگ نسب کی تلاش میں نہیال کو بھی دیکھتے ہیں وہ غلط کار ہیں۔

”صداق“ مہر

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے جو نکاح کے سلسلہ میں صحیح بخاری میں نقل کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے زمانہ جاہلیت میں نکاح کا جو شریفانہ طریقہ عربوں میں رائج تھا اس میں بھی مہر مقرر کیا جاتا تھا، یعنی نکاح کرنے والے مرد کے لیے ضروری ہوتا تھا کہ وہ بیوی کو ایک معین رقم ادا کرنا اپنے ذمہ لے۔ اسلام میں اس طریقہ کو برقرار رکھا گیا۔ یہ مہر اس بات کی علامت ہے کہ کسی عورت سے نکاح کرنے والا مرد اس کا طالب اور خواستگار ہے اور وہ اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق اس کو مہر کا نذرانہ پیش کرتا ہے یا اس کی ادائیگی اپنے ذمہ لیتا ہے۔

قرآن میں مہر کا لفظ استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ ”صَدَقَ“ استعمال ہوا ہے: ﴿وَأَتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً﴾ اِصداق کے معنی ہیں درست کرنا۔ سچا کرنا۔ دوستی کرنا، اظہارِ رغبت کے لیے مال خرچ کرنا۔ مہر کے لیے لفظ صداق (صاد پر زبر یا زیر) بولا جاتا ہے (جو اِصداق کا اسم مصدر ہے) اس طرح اِصداق

کے معنی مہر دینے کے اور صداق کے معنی مہر کے ہیں۔ گویا مہر کو صداق اس لیے کہتے ہیں کہ یہ شوہر اور بیوی کے تعلقات کی درستی، سچائی اور دوستی کی علامت ہے۔

❦ **مہر کی تعریف:**

مہر کے اصطلاحی معنی اس مال کے ہیں جو عقد نکاح کے بعد عورت سے متمتع ہونے کے عوض دیا جاتا ہے۔ یہ مال یا تو نکاح کے وقت عورت کو فوراً ادا کر دیا جاتا ہے یا ادا کرنے کا وعدہ کر لیا جاتا ہے۔ پہلی صورت میں مہر معجل کہا جاتا ہے اور دوسری صورت میں مہر مؤجل۔ معجل غلت سے ہے، یعنی وہ چیز جو جلد کی جائے اور مؤجل اجل سے بنا ہے جس کے معنی وقت اور مدت کے ہیں۔

❦ **مہر حیثیت سے زیادہ نہ ہونا چاہئے:**

مہر اتنا ہی مقرر کرنا چاہئے جتنا شوہر آسانی سے ادا کر سکے، عام طور پر مہر زیادہ مقرر کرنے کی دو وجہیں ہوتی ہیں، ایک تو عزت و فخر کی نمائش، دوسرے یہ بات کہ شوہر عورت کو طلاق نہ دے سکے۔ دونوں وجہیں شرعاً اور عقلاً غلط ہیں، اگر مزاجوں میں اتنا اختلاف ہو کہ دونوں کا ایک جگہ رہنا عذاب بن جائے تو کونسی عقل مندی ہوگی کہ اس عذاب سے چھٹکارا نہ حاصل کیا جائے۔ لیکن عذاب تب ہی دور ہو سکتا ہے جب شوہر عورت کا حق دے کر اسے رخصت کر دے۔ شرعی اعتبار سے بھی مہر زیادہ مقرر کرنے کی ممانعت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَعْظَمُ النِّكَاحِ بَرَكَةً، أَيْسَرُهُ» زیادہ بابرکت وہ نکاح ہے جس میں مَوْنَةٌ»۔ (مشکوٰۃ: ص ۲۶۹)

تکلیف و پریشانی کم سے کم ہو۔

خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے لیے مہر زیادہ مقرر کرنا پسند نہیں فرمایا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مہر آپ ﷺ نے پانچ سو درہم مقرر فرمایا تھا۔ ایک درہم چوتھائی تو لے سے کچھ زیادہ ہوتا ہے۔ یعنی تین ماشہ دورتی۔ کل مہر فاطمی ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ چاندی ہوا۔ نبی کریم ﷺ اس مقدار سے زیادہ مہر نہیں مقرر فرماتے تھے۔ اس چاندی کی جو قیمت روپے یا دوسرے سکوں کے اعتبار سے

بنے وہی مقرر کرنا چاہئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب تمول بڑھا تو لوگ بہت زیادہ مہر مقرر کرنے لگے تھے۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”لوگو! مہر مقرر کرنے میں غلو نہ کرو! اگر یہ چیز دنیا میں باعث عزت و افتخار ہوتی یا آخرت میں زیادہ مہر کا ثواب ہوتا تو نبی ﷺ اس کو سب سے پہلے اختیار کرتے۔“

❦ **مہر مثل:**

کسی لڑکی کا مہر مثل اس عورت کے مہر سے متعین کیا جائے گا جو صورت سیرت، علم و سلیقہ اور دینداری میں اس کے قریب قریب ہو، اگر قریبی رشتہ داروں میں کوئی لڑکی ان صفات کی نہ ہو تو دور کے رشتہ داروں میں جو لڑکی اس کے جیسے صفات کی ہوگی اس کا مہر مثل قرار پائے گا۔

❦ **مہر کی مقدار:**

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مہر کی مقدار کم سے کم دس درہم اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک تین درہم ہے۔ مگر ان دونوں مقدار کی تائید کسی حدیث صحیح سے نہیں ہوتی، لہذا یہ درست نہیں ہے۔ حالات کے مطابق مہر میں کمی بیشی جائز ہے۔ اس کی کوئی ایک مقدار مقرر نہیں ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں چند ایک احادیث ملاحظہ فرمائیں:

۱- عن جابر بن عبد اللہ ؓ قال: مَنْ أَعْطَى فِي صَدَاقِ امْرَأَةٍ سَوْبِقًا أَوْ تَمْرًا فَقَدْ اسْتَحَلَّ. (مشکوٰۃ: ۲۷۷)

”رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص ستویا کھجوریں مہر میں دیدے اس نے عورت کو حلال کر لیا۔

۲- عن جابر أن رسول الله ﷺ قال: «لَوْ أَنَّ رَجُلًا أَعْطَى امْرَأَةً صَدَاقًا مِلًّا يَدِيهِ طَعَامًا كَانَتْ لَهُ حَلَالًا».

(مشقی، کتاب الصداق)

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”اگر کوئی شخص طعام کا ایک اونچلا (بک) بھر کر کسی عورت کو مہر دے تو وہ عورت اس کے لیے حلال ہے۔“

۳- عن عبد الله بن عامر بن ربيعة عن أبيه أن النبي ﷺ أَجَازَ نِكَاحَ امْرَأَةٍ عَلَى نَعْلَيْنِ. (ترمذی: ص.....)

رسول اللہ ﷺ نے ایک عورت کا نکاح جوتے کے ایک جوڑے پر جائز رکھا۔

۴- عن عامر بن ربيعة أن امرأة من بني فزارة تزوجت على نعلين، فقال رسول الله ﷺ: «أَرْضَيْتِ بِنَفْسِكَ وَمَالِكَ بِنَعْلَيْنِ؟» قَالَتْ: نَعَمْ، فَأَجَازَهُ. (مشکوٰۃ: ص ۲۷۷)

ایک عورت نے جوتے کے ایک جوڑے پر نکاح کیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تو اپنا نفس اور مال خاوند کے حوالہ کر کے جوڑے پر راضی ہو گئی؟ کہا ہاں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو جائز رکھا۔

۵- عن سهل بن سعد ؓ قَالَ: زَوَّجَ النَّبِيُّ ﷺ رَجُلًا امْرَأَةً بِخَاتَمٍ مِنْ حَدِيدٍ. أَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ.

رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کا نکاح لوہے کی انگوٹھی پر کر دیا۔

۶- عن أنس ؓ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَأَى عَلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ أَثَرَ صُفْرَةٍ. فَقَالَ: «مَا هَذَا؟» قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنِّي تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً عَلَى وَزْنِ نَوَافٍ مِنْ ذَهَبٍ. قَالَ: «بَارَكَ اللَّهُ لَكَ، أَوْلِمَ وَلَوْ بِشَاةٍ».

(مشکوٰۃ: ص ۲۷۸)

رسول اللہ ﷺ نے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ پر زردی کا نشان دیکھا تو فرمایا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی کہ میں نے وزن نواۃ سونے پر نکاح کیا ہے۔ فرمایا: ”اللہ برکت کرے، ولیمہ کر اگرچہ ایک بکری ہو۔“

مہر کا غیر مال ہونا:

مہر غیر مال بھی ہو سکتا ہے چنانچہ احادیث ملاحظہ فرمائیں:

۱- عن أنس أنه ﷺ أعتق صفيّة وجعل عتقها صداقها. (بلوغ الرام باب الصداق)

رسول اللہ ﷺ نے صفیہ کا آزاد کرنا اس کا مہر کر دیا۔

۲- عن أنس قال: خطب أبو طلحة أم سليم فقالت: والله! ما مثلك يا أبا طلحة! يردُّ ولكِنَّكَ رجلٌ كافرٌ وأنا امرأةٌ مسلمةٌ ولا يحلُّ لي أن أتزوَّجَكَ فإن تُسَلِّمَ فذاك مهرى ولا أسألك غيره، فأسلمَ فكان ذلك مهرها. قال ثابت: فما سمعتُ بامرأةٍ قطُّ كانت أكرمَ مهرًا من أم سليم الإسلام فدخل بها فولدت له. (نسائي ج ۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے ام سلیم رضی اللہ عنہا سے نکاح کی درخواست کی ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا اے ابو طلحہ! تیرے جیسے شخص کو جواب نہیں دیا جاسکتا۔ لیکن تو کافر ہے اور میں مسلمان ہوں۔ میرے لیے تیرا نکاح حلال نہیں۔ اگر تو اسلام لائے تو یہی میرا مہر ہے۔ میں تجھ سے کچھ اور نہیں مانگتی۔ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اسلام لائے پس یہی ام سلیم رضی اللہ عنہا کا مہر ہو گیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ثابت کہتے ہیں کہ میں نے

ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ عزت والی مہر میں کوئی عورت نہیں سنی
حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اسی مہر کے ساتھ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ہمبستر
ہوئے اور ان کے ہاں اولاد ہوئی۔

۳۔ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے پاس
ایک عورت آئی، کہا میں اپنے نفس کو آپ ﷺ کے لیے ہبہ
کرنے کو آئی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے اوپر نیچے نظر
کی پھر سر نیچے ڈال لیا، جب عورت نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے
اس کی بابت کچھ فیصلہ نہیں کیا، تو بیٹھ گئی۔ ایک شخص صحابہ رضی اللہ عنہ
سے کھڑا ہوا، کہا یا رسول اللہ! اگر آپ کو حاجت نہیں تو مجھے نکاح
کرا دیجئے۔ فرمایا: تیرے پاس کچھ ہے؟ کہا اللہ کی قسم میرے
پاس کچھ نہیں۔ فرمایا اپنے گھر میں جا کر دیکھ۔ گھر میں گیا اور پھر
واپس آیا، کہا اللہ کی قسم میں نے کچھ نہیں پایا۔ فرمایا پھر جا کر
دیکھ اگر چہ لوہے کی ایک انگوٹھی مل جائے۔ گیا، پھر واپس آیا۔ کہا
یا رسول اللہ! اللہ کی قسم ایک انگوٹھی بھی نہیں ملی۔ ہاں میرا تہ بند
ہے آدھا اس کو دے دوں گا۔ سہل کہتے ہیں اس کے پاس چادر
نہ تھی صرف تہ بند تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تہ بند کو کیا کرے گا
اگر تو پہنے گا تو اس پر کچھ نہیں رہے گا۔ اگر وہ پہنے گی تو تجھ پر کچھ
نہیں رہے گا۔ وہ آدمی بیٹھ گیا۔ جب بیٹھے کو دیر ہو گئی تو آخر
مایوس ہو کر چل دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اس کو جاتے
ہوئے دیکھا تو اس کو بلوایا، جب آیا تو فرمایا تجھے قرآن مجید کتنا
یاد ہے؟ کہا فلاں فلاں سورت۔ تو آپ ﷺ نے پوچھا تُو بے
خیال پڑھ سکتا ہے؟ کہا ہاں، فرمایا جا ہم نے تجھے اس قرآن کے
عوض اس عورت کا مالک بنا دیا۔ اور ایک روایت میں ہے جا اس

عورت سے تیرا نکاح کر دیا۔ اس کو قرآن مجید سکھا دے۔ ایک روایت میں ہے ہم نے اس عورت پر اس قرآن کے عوض تجھ کو قبضہ دیدیا۔ ابوداؤد کی روایت میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تجھے کتنا قرآن مجید یاد ہے اس نے کہا سورت بقرہ اور اس کے ساتھ کی سورت۔ فرمایا اس عورت کو بیس آیتیں سکھا دے۔

ان تین احادیث سے معلوم ہوا کہ مال کے علاوہ بھی مہر ہو سکتا ہے خواہ آزاد کرنا ہو یا اسلام ہو یا قرآن مجید ہو یا کوئی اور شے ہو۔ جیسے آدم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ تیری طرف سے مہر ذکر الہی ہے یا محمد ﷺ پر درود ہے۔ قرآن مجید میں جو فرمایا ﴿اَنْ تَبْتَغُواْ بِاَمْوَالِكُمْ﴾ تو یہ اکثری اعتبار سے ہے۔ اس لیے سوال کا ذکر کر دیا ایسی قید اتفاقیہ ہوتی ہے شرط نہیں ہوتی، اکثر اعتبار سے اس آیت میں مال کا ذکر ہوا کیونکہ تینوں حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مال کے علاوہ بھی مہر ہو سکتا ہے اور جو لوگ کہتے ہیں جن کے نکاح کا ان تین حدیثوں میں ذکر ہے ان کا مہر بھی مال ہی تھا لیکن مہر مؤجل تھا جو خاوند کے ذمہ قرض ہوتا ہے تو یہ محض اپنی من گھڑت بات ہے ورنہ ان حدیثوں کا مطلب صاف ہے کہ مہر مال نہ تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے مہر کی کوئی خاص مقدار معین نہیں فرمائی، کیونکہ نکاح کرنے والوں کے حالات اور ان کی وسعت و استطاعت مختلف ہو سکتی ہے۔ البتہ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادیوں کا مہر پانچ سو درہم (یا اس کے قریب) مقرر فرمایا اور آپ ﷺ کی اکثر ازواج مطہرات کا مہر بھی یہی تھا۔ لیکن آپ ﷺ کے زمانہ میں اور آپ ﷺ کے سامنے اس سے بہت کم اور بہت زیادہ بھی مہر باندھے جاتے تھے آپ ﷺ کی صاحبزادیوں اور ازواج مطہرات والے مہر کی پابندی ضروری نہیں سمجھی جاتی تھی۔

مہر کے بارہ میں قرآن و حدیث کی ہدایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ محض فرضی اور رسمی بات اور زبانی جمع خرچ کے قسم کی چیز نہیں ہے بلکہ شوہر کے

ذمہ اس کی ادائیگی لازم ہے، الا یہ کہ بیوی خود ہی وصول کرنا نہ چاہے۔ قرآن پاک میں صراحۃً ارشاد ہے:

﴿وَأَتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ﴾ ”اپنی بیویوں کے مہر خوشدلی سے
نِحْلَةً﴾ (النساء) ان کو ادا کرو۔“

اور رسول اللہ ﷺ نے اس بارہ میں جو تاکید و تشدید فرمائی ہے وہ ملاحظہ فرمائیں:

عن میمون الكردي عن أبيه قال: قال رسول الله ﷺ: «أَيُّمَا رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً عَلَى مَا قُلَّ مِنَ الْمَهْرِ أَوْ كَثُرَ لَيْسَ فِي نَفْسِهِ أَنْ يُودَى إِلَيْهَا حَقُّهَا لَقِيَ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَهُوَ زَانٌ». (رواه الطبرانی في الأوسط والصغير)

میسون کردی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”جس شخص نے کسی عورت سے کم یا زیادہ مہر پر نکاح کیا اور اس کے دل میں اس حق مہر کی ادائیگی کا ارادہ ہی نہیں ہے تو قیامت میں اللہ کے حضور میں زنا کار کی حیثیت سے پیش ہوگا۔“

مطلب یہ ہے کہ جو شخص اداء مہر کے بارے میں شروع ہی سے بدنیت ہے، اس نے مہر کا اقرار تو کر لیا ہے لیکن دل میں یہ ہے کہ یہ بس زبانی بات ہے دینا دلانا کچھ نہیں ہے تو اس کے نکاح میں اتنا بڑا نقص اور وہ اس درجہ کا گنہگار ہے کہ قیامت میں وہ زنا کا مجرم قرار دیا جائے گا۔ قریب قریب اسی مضمون کی اس کے علاوہ بھی متعدد حدیثیں مختلف کتب حدیث کے حوالہ سے کنزل العمال میں نقل کی گئی ہیں، ان حدیثوں میں ایسے لوگوں کے لیے بڑی سخت وعید اور آگاہی ہے جو مہر کو صرف زبانی اور رسمی بات سمجھتے ہوئے اتنی بڑی رقم کے مہر مقرر کر لیتے ہیں جن کی ادائیگی کا کوئی امکان ہی نہیں ہوتا۔

مہر کے متعلق عرب میں کئی قسم کے ظلم ہوتے تھے:

ایک یہ کہ مہر جو لڑکی کا حق ہے اس کو نہ دیا جاتا تھا، بلکہ لڑکی کے اولیاء شوہر سے وصول کر لیتے تھے جو سراسر ظلم تھا، اس کو دفع کرنے کے لیے قرآن کریم نے فرمایا: ﴿وَأْتُوا النِّسَاءَ صَدُقَتِهِنَّ﴾ یعنی ”دو عورتوں کو ان کے مہر“۔ اس کے مخاطب شوہر بھی ہیں کہ وہ اپنی بی بی کا مہر خود بی بی کو دیں اور دوسروں کو نہ دیں، اور لڑکیوں کے اولیاء بھی مخاطب ہیں کہ اگر لڑکیوں کے مہر ان کو وصول ہو جائیں تو یہ لڑکیوں ہی کو دیدیں، ان کی اجازت کے بغیر اپنے تصرف میں نہ لائیں۔

دوسرا ظلم یہ بھی تھا کہ اگر کبھی کسی کو مہر دینا بھی پڑ گیا تو بہت تلخی کے ساتھ بادل نا خواستہ تاوان سمجھ کر دیتے تھے، اس ظلم کا ازالہ آیت مذکورہ کے اس لفظ نَحْلَہ سے فرمایا گیا، کیونکہ نَحْلَہ لغت میں اس دینے کو کہتے ہیں جو خوش دلی کے ساتھ دیا جائے۔

غرض اس آیت میں یہ تعلیم فرمائی گئی ہے کہ عورتوں کا مہر ایک حق واجب ہے، اس کی ادائیگی ضروری ہے، اور جس طرح تمام حقوق واجبہ کو خوش دلی کے ساتھ ادا کرنا ضروری ہے اسی طرح مہر کو بھی سمجھنا چاہئے۔

تیسرا ظلم مہر کے بارے میں یہ بھی ہوتا تھا کہ بہت سے شوہر یہ سمجھ کر کہ بیوی ان سے مجبور ہے، مخالفت کر نہیں سکتی، دباؤ ڈال کر ان سے مہر معاف کرالیتے تھے، جس سے درحقیقت معافی نہ ہوتی تھی، مگر وہ یہ سمجھ کر بے فکر ہو جاتے تھے کہ مہر معاف ہو گیا۔

اس ظلم کے انسداد کے لیے آیت مذکورہ میں ارشاد فرمایا:

﴿فَإِنْ طِبَّنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ﴾ یعنی ”اگر وہ عورتیں خوش دلی کے ساتھ اپنے مہر کا کچھ حصہ تمہیں دیدیں تو تم اس کو کھا سکتے ہو تمہارے لیے مبارک ہوگا۔“

مطلب یہ ہے کہ جبر و اکراہ اور دباؤ کے ذریعہ معافی حاصل کرنا تو کوئی چیز نہیں، اس سے کچھ معاف نہیں ہوتا، لیکن اگر وہ بالکل اپنے اختیار اور رضا مندی سے کچھ حصہ مہر کا معاف کر دیں یا لینے کے بعد تمہیں واپس کر دیں تو وہ تمہارے لیے جائز ہے اور درست ہے۔

یہ مظالم مذکورہ زمانہ جاہلیت میں بہت زیادہ تھے، جن کا انسداد قرآن حکیم نے اس آیت میں فرمایا، افسوس ہے کہ جاہلیت کے زمانہ کی یہ باتیں مسلمانوں میں اب بھی موجود ہیں، مختلف قبیلوں اور علاقوں میں ان مظالم میں سے کوئی نہ کوئی ظلم ضرور پایا جاتا ہے، ان سب مظالم سے بچنا لازم ہے۔

آیت شریفہ میں جو یہ قید طیب نفس کی لگائی کہ خوشی سے تمہاری بیویاں اگر مہر کا کچھ حصہ تم کو دیدیں یا تم سے وصول ہی نہ کریں، تو تم اس کو کھا سکتے ہو، اس میں ایک بہت بڑا راز ہے، بات یہ ہے کہ شریعت کا یہ اصول ہے کہ کسی کا ذرا سا مال بھی کسی دوسرے کے لیے حلال نہیں ہے جب تک کہ خوشدلی سے اجازت نہ ہو، بطور قاعدہ کلیہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا لَا تَظْلِمُوا أَلَا لَا يَحِلُّ مَالٌ» ”خبردار ظلم نہ کرو، اور اچھی طرح سے سمجھ لو کہ کسی شخص کا مال (دوسرے شخص کے لیے) حلال نہیں ہے“ (مشکوٰۃ شریف: ص ۲۵۵)

جب تک کہ اس کے نفس کی خوشی سے حاصل نہ ہو۔“

یہ ایک عظیم اصول ہے، اور اس کے ماتحت بہت سی جزئیات آ جاتی ہیں۔ دورِ حاضر میں چونکہ عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ مہر ملنے والا نہیں ہے، اگر سوال کروں یا معاف نہ کروں تو بد دلی یا بد مزگی پیدا ہوگی، اس لیے بادلِ ناخواستہ معاف کر دیتی ہیں، اس معافی کا کوئی اعتبار نہیں، علماء فرماتے تھے کہ صحیح معنی میں طیب نفس سے معاف کرنے کا پتہ اس صورت میں چل سکتا ہے کہ مہر کی رقم بیوی کے حوالہ کر دی جائے اس کے بعد وہ اپنی خوشی سے بغیر کسی دباؤ کے دیدیے یہی

طیب نفس بہنوں اور بیبیوں کی میراث میں بھی سمجھ لینا چاہئے، اکثر یہ ہوتا ہے کہ ماں یا باپ کے فوت ہو جانے پر لڑکے ہی پورے مال پر قابض ہو جاتے ہیں اور لڑکیوں کو حصہ نہیں دیتے، اگر کسی کو بہت دینداری کا خیال ہو تو بہنوں سے معافی مانگ لیتا ہے، وہ چونکہ یہ سمجھتی ہیں کہ حصہ کسی حال میں ملنے والا نہیں، اس لیے اپنی مرضی کے خلاف معاف کرنے کو کہہ دیتی ہیں۔ پھر باپ کی وفات پر اس کی بیوی کا حصہ بھی نہیں دیا جاتا، خصوصاً سوتیلی ماں کو تو دیتے ہی نہیں، یہ سب حقوق دبا لینا ہے، اگر کوئی خوشدلی سے معاف کر دے تو معاف ہو سکتا ہے، جس کی علامت اوپر گزر چکی ہے۔

آیت مذکورہ میں طیب نفس کا ذکر ہے، طیب قلب نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ کسی کا مال حلال ہونے کے لیے اس کے دل کی خوشی کافی نہیں، جو لوگ رشوت یا سود دیتے ہیں بہت سے ظاہری منافع سوچ کر اور عقلی طور پر آمدنی کا حساب لگا کر خرچ کر دیتے ہیں، مگر یہ خوشی معتبر نہیں، اگر نفس سے پوچھا جائے تو وہ اس خرچہ پر قطعاً راضی نہ ہوگا، اسی وجہ سے طیب نفس کو فیصل قرار دیا گیا۔ (معارف القرآن: ج ۲ ص ۲۹۷)

❦ ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر:

آپ ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے سب سے زیادہ مہر حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا تھا، اور اس کی ادائیگی نجاشی بادشاہ نے کی تھی۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:

عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ أَنَّهَا كَانَتْ تَحْتَ
عَبِيدِ اللَّهِ بْنِ جَحْشٍ، فَمَاتَ
بَارِضُ الْحَبْشَةِ فَزَوَّجَهَا
النَّجَاشِيُّ النَّبِيُّ ﷺ وَأَمَّهَرَهَا
عَنْهُ أَرْبَعَةَ آلَافٍ دِرْهَمٍ وَبَعَثَ
بِهَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مَعَ

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ وہ عبید اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں (اور اپنے شوہر کے ساتھ انہوں نے مکہ سے ملک حبشہ کو ہجرت کی تھی وہیں حبشہ میں) ان کے شوہر عبید اللہ

شَرَحِیْلُ بْنُ حَسَنَةَ۔
 بن جحش رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو حبشہ
 (مشکوٰۃ: ص ۲۷۷)
 کے بادشاہ نجاشی نے ان کا نکاح
 رسول اللہ ﷺ سے کر دیا اور آپ ﷺ کی طرف سے چار ہزار درہم مہر مقرر کر
 کے خود ہی ان رضی اللہ عنہا کو ادا کر دیا اور شرحیل بن حسنہ صحابی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کو آپ
 ﷺ کے پاس بھیج دیا۔ (ابوداؤد)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا اصل نام زَمْلَہ تھا، یہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی
 صاحبزادی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں، پہلے ان کی شادی عبید اللہ بن
 جحش رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوئی تھی، عبید اللہ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا
 کے ساتھ مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے۔ پھر وہاں پہنچ کر مرتد ہو گئے۔
 یعنی اسلام ترک کر کے عیسائی ہو گئے اور وہیں مر گئے۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اسلام پر
 ثابت قدم رہیں، پھر آپ ﷺ نے عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو حبشہ کے بادشاہ
 اصحمہ، جن کا لقب نجاشی تھا، کے پاس یہ حکم دے کر بھیجا کہ وہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو آپ
 ﷺ کے نکاح کا پیغام دیں، چنانچہ نجاشی نے آپ ﷺ کا یہ حکم پا کر اپنی ایک
 لونڈی ابرہہ کو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجا۔ ابرہہ نے ان سے کہا
 کہ مجھے بادشاہ نے آپ کے پاس بھیجا ہے اور کہا ہے کہ مجھے رسول کریم ﷺ کا
 یہ حکم ملا ہے کہ آپ سے رسول کریم ﷺ کا نکاح کر دوں۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا
 نے یہ پیغام بطیب خاطر قبول کیا۔ اور فوراً ایک آدمی کو حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ
 کے پاس بھیج کر ان کو اپنا وکیل مقرر کیا، جو ان کے والد کے چچا زاد بھائی تھے۔ اور
 ساتھ ہی ابرہہ کو یہ خوشخبری سننے کے عوض دو کپڑے اور چاندی کی ایک انگوٹھی
 عطا کی، پھر جب شام ہوئی تو نجاشی نے حضرت جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کو اور ان
 تمام مسلمانوں کو جو اس وقت حبشہ میں موجود تھے جمع ہونے کا حکم دیا۔ جب سب
 لوگ جمع ہو گئے تو نجاشی نے یہ خطبہ پڑھا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ السَّلَامِ الْمُؤْمِنِ الْمُهَيْمِنِ

الْعَزِيزِ الْجَبَّارِ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ أَرْسَلَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ.

پھر یہ الفاظ کہے ”بعد ازاں میں نے اس چیز کو قبول کیا جو رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے اور میں نے چار سو دینار مہر مقرر کیا۔“ اس کے بعد انہوں نے وہ چار سو دینار لوگوں کے سامنے پیش کر دیئے اس کے بعد حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے یہ خطبہ پڑھا:

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَأَحْمَدُهُ وَأَسْتَعِينُهُ وَأَسْتَغْفِرُهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ أَرْسَلَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ.

پھر یہ الفاظ کہے ”بعد ازاں میں نے اس چیز کو قبول کیا جو رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے اور میں نے ابوسفیان کی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کا نکاح کر دیا۔ اللہ تعالیٰ رسول کریم ﷺ کو یہ نکاح مبارک کرے۔“ اس ایجاب و قبول کے بعد مہر کے وہ چار سو دینار حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو دیئے گئے۔ جنہیں انہوں نے رکھ لیا، پھر جب لوگوں نے اٹھنے کا ارادہ کیا تو نجاشی نے کہا کہ ابھی آپ لوگ بیٹھے رہیں۔ کیونکہ نکاح کے وقت کھانا کھانا انبیاء کی سنت ہے۔ چنانچہ انہوں نے کھانا منگوایا اور سب لوگ کھانا کھا کر اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ یہ کچھ کا واقعہ ہے۔ اس وقت حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے والد ابوسفیان مشرک تھے اور آپ ﷺ کے سخت دشمن تھے۔ پھر ہجرت کے آٹھویں سال فتح مکہ کے موقع پر ان کو قبول اسلام کی توفیق ہوئی۔

بہر حال ازواج مطہرات میں سے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر دوسری امہات المومنین کی بہ نسبت بہت زیادہ تھا، لیکن یہ آپ ﷺ نے نہیں بلکہ نجاشی

نے مقرر کیا تھا۔ جو ایک بادشاہ تھا اور یہی اس کی شان اور حیثیت کے لائق تھا اور جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اس نے خود ہی ادا بھی کیا، روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہجرت کے چھٹے یا ساتویں سال کا ہے۔

نجاشی حبشہ کے بادشاہوں کا لقب تھا اس نجاشی کا اصل نام اصمہ تھا وہ مہاجرین کے ذریعہ اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی دعوت و تعلیم سے واقف ہوا تھا اور اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ۸ھ یا ۹ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کو وحی سے اس کی اطلاع ہوئی آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی اطلاع دی اور مدینہ طیبہ میں اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه۔

✽ مہر ادا کرنے کی تاکید:

عن عقبہ بن عامر قال: قال رسول اللہ ﷺ: «أَحَقُّ الشُّرُوطِ أَنْ تُؤْفُوا بِهِ مَا اسْتَحَلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوجَ». (مشکوٰۃ: ص ۲۷۱)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”جن شرطوں کا پورا کیا جانا تمہارے لیے ضروری ہے ان میں سب سے اہم

شرط وہ ہے جس کے ذریعہ تم نے شرمگاہوں کو حلال کیا ہے۔“

”سب سے اہم شرط“ سے مراد بیوی کا مہر ہے یا پھر بیوی کے وہ تمام حقوق مراد ہیں جو شوہر کے ذمہ ہوتے ہیں لہذا حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تم اپنی بیوی کے مہر ادا کرو۔ ان کے کھانے پینے کا خرچ ان کو دو انہیں رہنے کے لیے مکان دو اور ان کی دیگر ضروریات زندگی اپنی استطاعت کے مطابق پوری کرو۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ ان کے ساتھ اپنی زندگی اس حسن سلوک میل جول اور پر محبت انداز سے گزارو جو ایک باوقار اور شریف انسان کی شان کے عین مطابق ہے۔

اب رہی یہ بات کہ ان چیزوں کو ”شرط“ کیوں کہا گیا ہے تو واقعہ یہ ہے کہ ب کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرتا ہے تو اس کے ذہن و تصور کے ہر

گوشہ میں یہی عزم ہوتا ہے کہ وہ جس عورت کو اپنی بیوی بنا کر اپنے گھر لا رہا ہے اس کے تمام حقوق کی ادائیگی پورے طور پر کرے گا اور پھر وہ ان حقوق کی ادائیگی کا التزام بھی کرتا ہے لہذا اس کا یہ عزم اور پھر اس کا التزام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ گویا اس نے ان حقوق کی ادائیگی کی شرط کی ہے۔



شادی بیاہ کی رسوم و بدعات

شادی بیاہ کی رسومات کے سلسلہ میں محترم حافظ صلاح الدین یوسف اور حافظ مبشر حسین لاہوری نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ ذکر کیا جاتا ہے۔

معنی کیا ہے؟

معنی کا مطلب ہے نکاح کا پیغام دینا، یعنی نکاح کے لیے بات چیت کا آغاز اس کے بعد طرفین کو مناسبت اور موزونیت نظر آتی ہے تو ایک دوسرے کو دیکھنے اور حالات کی تحقیق کی ضرورت پیش آتی ہے اگر دونوں باہم مطمئن ہو جاتے ہیں تو دونوں طرف سے ایک دوسرے کے لیے ”ہاں“ کر دی جاتی ہے۔ اس کو کہتے ہیں نسبت کا طے ہو جانا۔ یعنی دونوں طرف سے پسندیدگی کا اظہار اور قول و قرار کا ہو جانا۔ پہلے اس زبانی اقرار اور نسبت کی بڑی اہمیت ہوتی تھی۔ اس لیے اس کے بعد مزید کچھ اور کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی تھی اور پھر حسب حالات نکاح کی تاریخ مقرر کر لی جاتی تھی۔

لیکن پھر اس میں اضافے شروع ہو گئے اور اشیاء کا باہم تبادلہ ضروری سا ہو گیا۔ لڑکی والے لڑکے کو انگوٹھی، گھڑی، سوٹ وغیرہ کے ساتھ کچھ نقدی دیتے

ہیں اور اسی طرح لڑکے والے لڑکی کے لیے کوئی زیور سوٹ، میک اپ کے سامان وغیرہ کے ساتھ کچھ نقدی ادا کرتے ہیں اور منوں اور سیروں کے حساب سے مٹھائیوں کا تبادلہ بھی ہوتا ہے۔ اور شریک ہونے والے رشتے داروں کو سوٹ بھی پیش کیے جاتے ہیں۔ بعض اصحاب حیثیت تو منگنی کی یہ رسم بھی شادی کی طرح کرتے ہیں اور ہزاروں نہیں لاکھوں روپیہ اس پر صرف کر ڈالتے ہیں۔ یعنی پہلے تو صرف شادی کی بے پناہ رسومات ہی کا رونا تھا۔ اب نو دولتوں نے منگنی کی رسم کو بھی اپنی امارت کے شان و شکوہ کے اظہار کا ذریعہ اور مسرفانہ اخراجات کا مظہر بنا لیا ہے۔

ظاہر بات ہے یہ سب باتیں فضول اور مسرفانہ ہیں۔ جو شریعت میں کسی طرح بھی مستحسن نہیں۔ منگنی کا مطلب صرف نسبت کا طے ہو جانا اور زبانی عہد و پیمان ہے۔ باقی فضول رسمیں ہیں جن سے بچنا ضروری ہے۔ خاص طور پر لڑکے کو منگنی کے موقع پر سونے کی انگوٹھی پیش کرنا، تو ایسی رسم ہے جس کی کسی مسلمان سے توقع ہی نہیں کی جاسکتی، کیونکہ اسلام میں مردوں کے لیے سونا حرام ہے۔ ہاں مرد چاندی کی انگوٹھی پہن سکتا ہے۔ لیکن اس موقع پر اس کی ضرورت ہی کیا ہے؟ یہ شرعی مسئلہ تو نہیں ہے اس لیے منگنی کے موقع پر اس رسم سے بھی بچا جائے چاہے انگوٹھی چاندی ہی کی ہو۔

منگنی کے بعد لڑکے اور لڑکی کی ملاقاتیں:

شادی کی بات چیت یعنی (منگنی) ہو جانے سے پہلے یا اس کے بعد لڑکے اور لڑکی کا ایک دوسرے کو ایک نظر دیکھنا یا بات چیت کرنا اس تک تو جائز ہے کہ دیگر لوگوں کی موجودگی میں ایسا ہو۔ البتہ اگر اسے معمول بنانے کی کوشش کی جائے یا تنہائی اور خلوت میں ملاقاتوں کا کوئی سلسلہ شروع کیا جائے تو پھر اس کے جواز کی کوئی دلیل نہیں بلکہ نکاح سے پہلے اور منگنی کے بعد بھی یہ دونوں (منگیتر) غیر محرم ہیں اور غیر محرم سے بہر صورت پردہ کیا جائے گا جیسا کہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

”لا یخلون رجل بامرأة إلا مع ذی محرم۔“

”محرم رشتہ دار کے علاوہ کوئی شخص کسی عورت کے پاس تنہائی میں نہ بیٹھے۔“

چونکہ منگنی نکاح نہیں بلکہ نکاح کا ایک معاہدہ ہے اور ممکن ہے کہ یہ معاہدہ پایہ تکمیل کو نہ پہنچے اس لیے جب تک نکاح نہ ہو جائے تب تک لڑکے اور لڑکی کا خلوت میں ملاقاتیں کرنا یا اکٹھے گھومنا پھرنا ہرگز جائز نہیں۔ باقی رہائیلی فون پر ایک دوسرے سے بات چیت کا مسئلہ تو اس میں بھی بہتر یہی ہے کہ اجتناب کیا جائے۔

✽ مائیوں بٹھانے کی رسم:

شادی سے چند دن پہلے گھر کی عورتیں دلہن کو گھر کے ایک کونے میں مجبوس کر دیتی ہیں اسے مائیوں بٹھانا کہا جاتا ہے جو کہ خالص ہندوانہ رسم ہے۔ اس رسم کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہے کہ لڑکی کو ایک چوکی پر بٹھلا دیا جاتا ہے اور اسے گھر کے کام کاج حتیٰ کہ گھر والوں سے بول چال تک سے منع کر دیا جاتا ہے تا وقتیکہ اس کی شادی ہو جائے۔ اسلام میں اس رسم کی بھی کوئی گنجائش نہیں۔

✽ تیل مہندی کی رسم:

شادی سے کچھ دن پہلے لڑکے والوں کی طرف سے عورتیں دلہن کے لیے مہندی لے کر جاتی ہیں اسی طرح لڑکی والوں کی طرف سے دولہا کے لیے مہندی بھیجی جاتی ہے۔ مہندی بھیجنے کا انتظام اسی طرح کیا جاتا ہے جس طرح بہت بڑے جلوس کا کیا جاتا ہے۔ پھر مہندی کی رسم میں ناچ گانے کا بھی بھرپور اہتمام کیا جاتا ہے۔ اگرچہ دلہن کو مہندی لگانا جائز ہی نہیں بلکہ مستحب بھی ہے۔ لیکن اس کے لیے اجتماعی کھانے پینے کا انتظام اور ناچ گانے کا اہتمام کرنا اسلامی تعلیمات کے صاف منافی ہے۔ جبکہ دولہا (مرد) کے لیے بطور زینت مہندی کا استعمال درست ہی نہیں اس لیے دولہا کے ہاں مہندی کی رسم دلہن کی بنسبت

زیادہ فتنج اور بدتر ہے۔

سہرہ بندی کی رسم:

شادی کے روز خطبہ نکاح سے کافی پہلے ہی دولہا کو شاہانہ لباس پہنا کر اور سر پر سہرا سجا کر بٹھادیا جاتا ہے۔ اور پھر سہرہ بندی کی رسم پوری کی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ رسم سب سے پہلے ایران کے آتش پرستوں نے ایجاد کی۔ آتش پرست اسے پنچہ آفتاب کہتے تھے کیونکہ جب دولہا اپنے سر پر سہرا باندھتا تو اس کا چہرہ آفتاب کا پنچہ یعنی سورج کی آگ (روشنی) کے مشابہہ ہو جاتا۔ یہ رسم بڑھتے ہوئے جب بادشاہوں تک پہنچی تو وہ اپنی شادیوں پر سونے کی تاروں اور قیمتی نگینوں سے مرصع سہرے تیار کرنے لگے۔ پھر حالات کی تبدیلی کے ساتھ سہرے میں بھی تبدیلی واقع ہوتی چلی گئی اور اب تو سہرے کی جگہ ایسی ٹوپیاں تیار کی جاتی ہیں جو خوبصورتی کے علاوہ سستی اور ہلکی پھلکی ہونے کے ساتھ بیک وقت ٹوپی، پکڑی، (کلاہ) اور سہرے کا کام دیتی ہیں۔ بہر صورت اس رسم سے شرک کی بو آتی ہے۔

دلہے کو ہار پہنانا:

دلہا کو سہرے کے ساتھ اصلی قیمتی نوٹوں پر مشتمل ہار پہنایا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ دلہا کے دوست احباب اور عزیز واقارب بطور تحفہ روپوں پر مشتمل ہار لا کر دلہا کی گردن میں ڈال دیتے ہیں اور دلہن کے گھر پہنچنے، پھر نکاح کے بعد واپس پلٹنے تک دلہا ہاروں کے بوجھ تلے دبا رہتا ہے۔ سردی ہو یا گرمی، بارش ہو یا طوفان، دلہا کو بہر صورت ہار پہننے کی جا بلاناہ رسم کو پورا کرنا ہے۔ پھر یہ بھی کچھ بعید نہیں ہوتا کہ دلہا کو روپوں میں لدے پھندے دیکھ کر کوئی چور اچکا، دلہا پر حملہ آور ہو کر اسے نقصان پہنچائے۔ بعض لوگوں نے ان ہاروں کی مشقت سے بچنے کے لیے قدرتی یا مصنوعی پھولوں کے چھوٹے چھوٹے ہار پہنانا شروع کر دیئے ہیں۔ تاہم ہار روپوں کا ہو یا پھولوں کا، ہے تو یہ رسم بد۔

دلہا یا دلہن کو سلامیاں دینا:

شادی کے موقع پر ایک طرف دلہا کو اور دوسری طرف دلہن کو ان کے گھروں میں تیار کر کے بٹھا دیا جاتا ہے۔ پھر جتنے دوست احباب اور عزیز واقارب مہمان کی حیثیت سے آتے ہیں وہ کچھ نہ کچھ رقم دلہا یا دلہن کو دیتے ہیں اے ”سلامی“ کہا جاتا ہے۔ یہ دراصل نیوتہ (نیوندرا) ہی کی شکل ہے جس میں انتہائی خست اور کمینگی پائی جاتی ہے۔ (ہدیۃ العروس: ص ۲۲۸)

دفعہ بجانا:

خوشی کے موقع پر دفعہ بجانے کی اجازت ہے، لیکن مشروط۔ ایک تو یہ کام صرف نابالغ چھوٹی بچیاں کریں۔ دوسرے قومی و ملی نغموں کے ساتھ جن میں آباء اجداد کے قومی کارناموں یا ان کے خاندانی شرف و مجد کا تذکرہ ہو۔ فلمی دھنوں پر عشقیہ اور بازاری قسم کے گانوں کا قطعاً کوئی جواز نہیں۔

مہندی لگانا:

مردوں کے لیے مہندی لگانا ممنوع ہے، کیونکہ یہ صرف عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ مرد صرف سر اور داڑھی کے بالوں میں مہندی لگا سکتا ہے۔

گھروں میں چراغاں کرنا:

شادی کے موقعوں پر چراغاں کرنا بھی غیر شرعی رسم بلکہ آتش پرستوں کی نقل ہے۔ اس لیے کہ خوشی کے مواقع پر چراغاں کرنا مجوسیوں کا شعار ہے۔ یہ رسم ہندوستان کے بت پرستوں نے آتش پرستوں سے لی اور ہندوؤں کی دیکھا دیکھی اسے مسلمانوں نے اختیار کر لیا۔ بنا بریں اس سے بھی اجتناب ضروری ہے۔

بینڈ باجے والے ساتھ لے کر جانا:

بارات کے ساتھ گانے بجانے اور بینڈ باجے کا انتظام کرنا گناہ ہے۔ بینڈ باجے، سارنگیاں، طبلے اور ڈھول ڈھمکے وغیرہ ”لہو الحدیث“ (یعنی فضولیات و لغویات) میں شامل ہیں جیسا کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن عباس

رئی اللہ وغیرہ سے مروی ہے۔

اور قرآن مجید میں ہے کہ:

”وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿٦﴾“
(لقمان)

”اور لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو ”لهو الحدیث“ (یعنی لغو باتوں کو) خریدتے ہیں تاکہ بے علمی کے ساتھ لوگوں کو اللہ کے راستے سے گمراہ کریں اور اسے نہی مذاق

بنائیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔“

❦ دلہا کو گھوڑی چڑھانا یا گاڑی بجانا:

اسے بھی شادی کا حصہ سمجھ لیا گیا ہے حالانکہ اس کی کوئی ضرورت ہے نہ کوئی تک۔ بلکہ اس میں ایک طرف اگر غیر قوموں کی مشابہت ہے تو دوسری طرف ریاکاری کا شائبہ اس لیے اس سے بھی اجتناب بہر حال ضروری ہے۔

❦ آتش بازی کرنا:

آتش بازی خواہ شادی بیاہ پر کی جائے یا کسی اور موقع پر اس میں اپنے سرمائے کو اپنے ہاتھ سے نذر آتش کرنے والی بات ہے۔ شادی بیاہ کے موقع پر بعض لوگ آتش بازی کا خصوصی مظاہرہ کرتے ہیں۔ اور بسا اوقات کوئی نہ کوئی شخص آتش بازی کی نذر بھی ہو جاتا ہے۔ بہر صورت اسلام ایسی مسرفانہ رسم کی بھی اجازت نہیں دیتا۔

❦ بھانڈوں، گویوں اور کنجروں کا ناچ گانا:

بینڈ باجوں کی طرح بھانڈوں، کنجروں اور گویوں کا ناچ گانا بھی شادی کا حصہ سمجھا جاتا ہے اور اگر ان کرم فرماؤں کو مدعو نہ بھی کیا جائے تو یہ از خود جمع ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض عورتیں بھی اس کام کے لیے خاص ہوتی ہیں۔ پھر ان کے ذریعے جس آوہ گوئی، بیہودگی و بے حیائی اور ناچنے گانے کا انتظام کیا جاتا

ہے وہ اسلام کی نظر میں قابل سزا جرم ہے۔

شادی پر پیسے لوٹانا:

جو لوگ شادی بیاہ میں پیسے پنچھا ورنہ کریں، انہیں کتبوس خیال کیا جاتا ہے، حالانکہ دیگر فتنج رسوں کی طرح اس کی قباحت و شاعت بھی کچھ کم نہیں۔ اسی طرح دلہا کے سر پر پیسے گھما کر فقیروں کو دیئے جاتے ہیں اور اسے دلہا کے لیے اچھا شگون خیال کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس طرح کے شرکیہ ٹوکوں اور شگونوں کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔

بوقت نکاح دلہا اور دلہن کو کلمے پڑھانا:

اس رسم کی ادائیگی میں عوام کا اتنا قہور نہیں جتنا ان نام نہاد ”علماء“ کا ہے جنہوں نے اسے دینی فریضہ متصور کر کے عوام پر مسلط کر رکھا ہے۔ حالانکہ اول تو قرآن و سنت میں دور دور تک اس کا کوئی نام و نشان نہیں کہ دلہا اور دلہن کو بوقت نکاح کلمے پڑھائے جائیں۔ باقی یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کلمہ تو اس شخص کو پڑھایا جاتا ہے جو دائرہ اسلام میں داخل ہو رہا ہو۔ اس لیے اگر تو دلہا دلہن پہلے غیر مسلم تھے اور اب انہیں مسلمان کیا جا رہا ہے تو پھر انہیں ضرور کلمہ پڑھوایا جائے، لیکن پھر بھی ایک کلمہ پڑھایا جائے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کے ہاتھوں جتنے لوگ مسلمان ہوئے وہ ایک کلمہ شہادت ہی پڑھ کر مسلمان ہوئے۔ آپ ﷺ نے کسی شخص کو چھ کلمے نہیں پڑھائے، البتہ چھ کلموں کے الفاظ مختلف موقعوں کی دعائیں اور اذکار ہیں، لیکن انہیں یکجا کر کے چھ کلموں کا رنگ دینا اور پھر اسلامی شعار کے طور پر انہیں پیش کرنا، بلاشبہ کسی بدعت سے کم نہیں۔

لڑکے والوں کا دلہن کے ہاں ”پد“ لے کر جانا:

شادی بیاہ کے موقع پر چھوہاروں، باداموں اور دیگر میٹھی اور خشک چیزوں پر مٹی چھوٹے چھوٹے پیکٹوں پر مشتمل ”بد“ کے والے بارات کے ساتھ لے کر آتے ہیں اور نکاح کے بعد حاضرین میں اسے غیر مہذب طریقے سے تقسیم

کرتے ہیں۔ یہ بھی رسم ہے جسے شادی کا ضروری حصہ سمجھ لیا گیا ہے اور اس قدر ضروری کہ سخت گرمی میں بھی چھوہارے ہی تقسیم کیے جاتے ہیں۔

❁ دلہا والوں کا ”وری“ لے کر جانا:

دلہا والے برات کے ساتھ کسی بڑے بیگ یا ٹرنک وغیرہ میں کچھ اشیا لے کر جاتے ہیں، جنہیں ”وری“ کہا جاتا ہے۔ اس میں دلہن کا سامان مثلاً شاہانہ لباس، زیورات، میک اپ کا سامان اور اس کے علاوہ بھی چھوٹی بڑی مختلف چیزیں ہوتی ہیں۔ شادی بیاہ میں شامل تمام لوگوں کے سامنے شہرت و ریا کاری کے لیے اسے کھول کر دکھایا جاتا ہے۔ (ہدیۃ العروس: ص ۲۳۱)

❁ نکاح کے بعد چھوہارے تقسیم کرنا:

نکاح کے بعد چھوہارے (یا آج کل پیکٹ) وغیرہ کی تقسیم بھی ہمارا رواج ہے، اس کی بھی کوئی شرعی اصل نہیں۔ اس سلسلے میں بعض روایات آتی ہیں، لیکن ان میں کوئی بھی روایت صحیح نہیں ہے۔ اس لیے اسے سنت سمجھ کر کرنا تو صحیح نہیں۔ تاہم ایک قومی رواج کے طور پر اس کا جواز ہے، کیونکہ اس میں کسی نص کی خلاف ورزی کا پہلو نہیں ہے۔

❁ نیوتہ بازی (نیوندرا):

ولیمہ کے موقع پر جو نوگ دعوت طعام میں شریک ہوتے ہیں ان سب سے پیسے وصول کیے جاتے ہیں، جسے نیوتہ (نیوندرا) کہا جاتا ہے۔ یہ رسم اتنی ضروری سمجھ لی گئی ہے کہ نیوتہ وصول کرنے والا باقاعدہ رجسٹر لے کر بیٹھتا ہے اور پیسوں کا مطالبہ کرتا ہے۔ حالانکہ یہ انتہائی کمینگی کی بات ہے کہ آپ ایک شخص کو دعوت پر بلا کر کھانا کھلائیں اور کھانے کے بعد اس کی قیمت کا مطالبہ کریں، لیکن طرفہ تماشہ یہ ہے کہ نیوتہ نہ دینے والے کو کمینہ اور خسیس سمجھا جاتا ہے اور اس پر اکثر لڑائی جھگڑا بھی پیدا ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ نیوتہ نہ دینے والے کو برادری کے رجسٹر سے بھی کاٹ دیا جاتا ہے۔

بعض لوگ نیوتہ کو تعاون کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ بلا دلیل دل کو مطمئن کرنے والی بات ہے ورنہ تعاون کا یہ طریقہ تو اسلام نے مقرر نہیں کیا کہ کھانا کھلا کر اس کی قیمت وصول کی جائے اور پھر اس پر یہ کہا جائے کہ ہم نے تمہارے بچے کی شادی پر اتنا نیوتہ دیا تھا، لہذا تم اس سے ڈبل یا کم از کم اتنا ہی واپس دو جبکہ قرآن مجید میں ہے کہ:

﴿وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ﴾ (المائدہ)
 ”اس نیت سے احسان نہ کرو کہ تم زیادہ طلب کر سکو۔“

البتہ اگر کوئی اپنی مرضی سے تحفہ کے طور پر کوئی چیز پیش کرے تو اس میں کوئی قباحت نہیں بشرطیکہ اسے نیوتہ نہ سمجھا جائے اور نہ ہی اس کی بنیاد پر نیوتہ دینے والا نیوتہ وصول کرنے کی غرض سے دوسرے کو مدعو کرے۔ (ہدیۃ العروس: ص ۲۳۳)

محترم مولانا حافظ صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں:

تحفوں اور ہدیوں کا تبادلہ حدیث ”تہادوا تحابوا“ (الادب المفرد) کے تحت یقیناً مستحب عمل ہے۔ لیکن شادی بیاہ کے موقعوں پر جو ایسا کیا جاتا ہے۔ اسے عام طور پر قرض سمجھا جاتا ہے اور اس کے بدلے میں کم از کم اس جیسا ہی یا پھر اس سے بڑھ کر تحفہ دینا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اس میں کسی کی حیثیت کو بھی ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ ہدیے کے مقابلے میں ہدیہ دینا یقیناً مسنون اور پسندیدہ عمل ہے اور اللہ تعالیٰ نے صاحب حیثیت بنایا ہو تو بہتر بدلہ ہی دینا بہتر ہے۔ لیکن اگر فریق ثانی کی حیثیت کمزور ہو اور بدلے میں ہدیہ دینا اس کے لیے مشکل ہو۔ اور وہ نہ دے سکے۔ تو اس پر سخت ناراضی اور برہمی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ یہی صورت سلامی یا نیوتے کی ہے۔ اس کی ابتداء تو غالباً باہمی تعاون کے جذبے ہی سے ہوئی ہوگی کہ اس طرح ایک شخص کی شادی کے موقع پر سارے رشتے دار سلامی کی صورت میں اس سے تعاون کرتے ہیں جس سے اس کو بہت مدد ملتی ہے۔ لیکن اسے بھی قرض ہی سمجھا جاتا ہے اور قرض بھی سودی۔ یعنی دینے والے

کی خواہش ہوتی ہے کہ میں نے جتنی رقم دی ہے۔ میرے بچے یا بچی کی شادی کے موقع پر اس کے بدلے میں کچھ زیادہ ہی رقم ملے۔ اور عام طور پر ایسا ہی کیا جاتا ہے۔ اگر کسی کے حالات جوابی سلامی کے نہ ہوں تو اس پر سخت ناک بھوں چڑھایا جاتا ہے۔

دلہا کے ساتھ غیر اخلاقی حرکتیں:

شادی کے موقع پر دلہا کے ساتھ بعض غیر اخلاقی حرکتیں بھی شادی کا حصہ بن چکی ہیں مثلاً دلہا کو ٹوٹی ہوئی چار پائی پر بٹھا کر گرایا جاتا ہے۔ اسے ایسا دودھ یا مشروب پیش کیا جاتا ہے جس میں مرچیں یا بہت زیادہ نمک ملا یا گیا ہو اسی طرح دلہا کی جوتی چرانے کی کوشش کی جاتی ہے اور جوتا واپسی کی رقم طلب کی جاتی ہے۔ طرفہ تماشا یہ ہے کہ یہ تمام حرکتیں دلہا کی سالیاں اور دوسری غیر محرم لڑکیاں کرتی ہیں۔

سربالہ:

ہندوؤں کے ہاں شادی بیاہ کی رسومات میں چونکہ دلہا کے ساتھ مختلف شرارتیں کی جاتی تھیں اس لیے ایک سمجھدار بچے کو خصوصی طور پر دلہے کے ساتھ رکھا جاتا جسے سربالہ کا نام دیا گیا۔ اس کا کام یہ ہے کہ یہ دلہا کو ”خطرات“ سے آگاہ کرتا رہے مثلاً اگر دلہا کو دودھ کا گلاس پیش کیا گیا ہے تو پہلے سربالہ اس کا ذائقہ دیکھ کر دلہا کو ہاں یا ناں میں بتائے گا۔

اسلام چونکہ اس طرح کی غیر اخلاقی حرکتوں کی اجازت ہی نہیں دیتا اس لیے سربالے کی بھی کوئی ضرورت نہیں رہتی یہی وجہ ہے کہ عہد نبوی ﷺ اور عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں شادی بیاہ کے واقعات میں ”سربالہ“ کا کوئی کردار دکھائی نہیں دیتا۔ (ہدیۃ العروس: ص ۲۳۵)

میک اپ کرنا:

شادی کے موقع پر دلہن کا سولہ سنگھار (میک اپ) کرنا اور دلہا کے لیے

اس کا بنانا سنوارنا اور اسے زیب و زینت سے آراستہ کرنا ایک جائز عمل ہے۔ اس لیے کہ خاوند کے لیے زیب و زینت جائز بلکہ مستحب ہے۔ اور عہد رسالت سے یہ کام اسلامی معاشرے میں ہوتا آ رہا ہے ایک حدیث میں ہے کہ حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو (رخصتی کے موقع پر) مزین کیا۔ دوسری حدیث میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے کہ انہیں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے تیار کر کے نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ ان دونوں روایات سے دلہن کے بناؤ سنگھار کا اثبات ہوتا ہے۔ لیکن یہ بناؤ سنگھار کون کرے گا؟ یہ گھر کی عورتیں یا اس کی سہیلیاں اور خاندان کی عورتیں ہی یہ کام کریں گی۔

صدیوں سے یہ سلسلہ اس طرح ہی چلا آ رہا ہے۔ اب چند سالوں سے بیوٹی پارلوں کا سلسلہ چل نکلا ہے۔ ان میں دلہنوں کو تیار کیا جاتا ہے اور جو کام چند روپوں میں ہو جاتا تھا اس پر ہزاروں روپیہ خرچ کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں ان میں میک اپ کے ایسے طریقے اختیار کیے جاتے ہیں جس سے عورت کا حلیہ ہی بگڑ جاتا ہے اور یوں اس میں اللہ تعالیٰ کی پیدائش کو تبدیل کرنے کی مذموم سعی کی جاتی ہے۔ اس لیے بیوٹی پارلوں کا یہ سلسلہ غیر شرعی ہے۔ ایک تو یہ غیروں کی نقالی پر مبنی ہے یعنی یہ مغربی معاشروں کی لعنت ہے جو ہمارے اسلامی ملکوں میں بھی آ گئی ہے۔ دوسرے بناؤ سنگھار پر حد سے زیادہ توجہ دی جاتی ہے جو سراسر فضول خرچی ہے۔ تیسرے اس میں بناؤ سنگھار کے نام پر اللہ تعالیٰ کی پیدائش کو تبدیل کیا جاتا ہے۔ چوتھے اس میں بے پردگی اور بے حیائی کا عنصر شامل ہوتا ہے۔ بیوٹی پارلر کی بجی ہوئی دلہن چادر یا برقع استعمال نہیں کر سکتی اور اسے بے پردہ ہی رہنا پڑتا ہے حتیٰ کہ وہ وضو کر کے نماز نہیں پڑھ سکتی۔ کیونکہ پردہ کرنے یا وضو کرنے سے اس کا وہ سارا میک اپ خراب ہو جاتا ہے جو بیوٹی پارلر میں کیا جاتا ہے۔

بنابریں بیوٹی پارلوں کا یہ سارا سلسلہ ناجائز اور حرام ہے اور ان کے

ذریعے سے دلہن سازی کا کام بھی ناجائز ہے۔ یہ مغرب کی حیا باختہ تہذیب کا ایک تحفہ ہے اور اسے وہی لوگ پسند کرتے ہیں جو اسلامی تہذیب سے متنفر اور مغربی تہذیب کے والہ و شیدا ہیں۔ اس لیے دین دار اور باپردہ گھرانوں کو کبھی بھی بیوٹی پارلروں کا رخ نہیں کرنا چاہئے۔ (شادی بیاہ کی رسومات: ص ۳۶)

❦ قرآن مجید کے سائے تلے رخصت کرنا:

دلہا اور دلہن کو رخصت کرتے وقت گھر کے عمر رسیدہ افراد میں سے کوئی شخص قرآن مجید لے کر ان کے سروں کے اوپر اٹھائے رکھتا ہے اور اس سے یہ شگون لیا جاتا ہے کہ یہ شادی بابرکت انجام پائے۔ حالانکہ خیر و برکت تو اس آسمانی کتاب کے احکام پر عمل کرنے میں ہے نہ کہ اس کا محض سایہ حاصل کرنے میں۔

❦ دروازے کی چوکھٹوں پر تیل:

دلہن کو رخصت کرتے وقت اور دوسری طرف دلہا اور دلہن کے نئے گھر میں داخل ہوتے وقت دروازے کی چوکھٹوں پر تیل ڈالا جاتا ہے۔ یہ بھی جاہلانہ رسم ہے جس کا اسلامی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں۔

❦ دلہا اور دلہن کو کنگنا (گانی) باندھنا:

یہ بھی ایک فضول اور جاہلانہ رسم ہے۔

❦ منہ دکھائی کی رسم:

جب بارات دلہن کو لے کر واپس دلہا کے گھر آتی ہے تو اسے ایک کمرے میں بٹھا دیا جاتا ہے اور عورت کا منہ دیکھنے کے لیے عزیز واقارب کی عورتیں جمع ہوتی ہیں۔ سب سے پہلے ساس یا خاندان کی کوئی بوڑھی عورت بہو کا منہ دیکھتی ہے اور اس کے ساتھ بہو کو منہ دکھلائی کی کوئی چیز پیش کرتی ہے۔ پھر اسی طرح دیگر عورتیں بہو کا منہ دیکھتی ہیں اور کوئی نہ کوئی چیز پیش کرتی ہیں جس کے پاس منہ دکھلائی کے لیے کچھ نہ ہو اسے منہ نہیں دکھلایا جاتا۔ پھر اس میں ایک بیہودگی یہ بھی ہے کہ بعض غیر محرم مثلاً لڑکی کے دیور، جینھ وغیرہ بھی منہ دکھلائی کی رسم میں

شریک ہوتے ہیں۔ اسٹی طرح خاوند کے لیے بھی مباشرت سے پہلے منہ دکھلائی کا کوئی نہ کوئی تحفہ دینا ضروری سمجھا جاتا ہے۔

گود بٹھائی کی رسم:

پھر اس کے بعد کسی کا بچہ بہو کی گود میں بٹھاتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ نئی دلہن کی گود میں بچہ اس لیے بٹھایا جاتا ہے کہ اس کی گود بھی ہری ہو اور دلہن بانجھ نہ نکلے۔ حالانکہ ایسے شگون لینے سے اسلام نے منع کیا ہے۔ بہر صورت اب تو نوبت بہ ایں جا رسید کہ دیور یا جیٹھ دلہن (بھابھی) کی گود میں بٹھایا جاتا ہے اور جب تک دلہن اسے کوئی تحفہ نہ دے وہ ”بے غیرت“ اس کی گود نہیں چھوڑتا۔ حالانکہ اسلام تو غیر محرم کا چہرہ دیکھنے کی اجازت نہیں دیتا اور یہاں رسومات پوری کرنے کے لیے غیر محرم کو گود میں بٹھایا جا رہا ہے۔ استغفر اللہ!! (ہدیۃ العروس)

(ص ۲۳۷)

شادی کا رڈز:

شادی بیاہ کی رسومات یا از خود پیدا کردہ ضروریات میں سے ایک رسم یا ایک ضرورت ”شادی کا رڈ“ بھی ہے۔ جس کے ذریعے سے اہل خاندان اور دوست احباب کو شادی میں مدعو کیا جاتا ہے۔ پہلے یہ ضرورت ایک پوسٹ کارڈ اور زبانی دعوت سے پوری ہو جاتی تھی۔ اب یہ شادی کا رڈ شادی کا ایک ناگزیر حصہ ہے۔

اس کی وجہ بھی شادیوں میں زیادہ سے زیادہ ہجوم جمع کرنے کا جذبہ ہی ہے۔ اگر نکاح کی تقریب اور ولیمے کی دعوت مختصر ہو۔ خاندان کے چند ضروری افراد اور صرف بعض احباب ہی ان میں شریک ہوں تو ظاہر بات ہے کہ پھر خصوصی دعوت ناموں اور شادی کارڈوں کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ لیکن چونکہ یہ سادگی اور اختصار اب کسی کو پسند نہیں۔ اس لیے شادی کا رڈ چھپوائے بغیر بھی چارہ نہیں۔

اس لیے اصل ضرورت شادی بیاہ کی تقریبات کا حجم (سائز) مختصر کرنے کی ہے۔ اگر لوگ اس کو اختیار کر لیں تو بہت سی قباحتوں کے ساتھ شادی کارڈ سے بھی بچنا ممکن ہے۔ بصورت دیگر کم از کم اس میں فضول خرچی سے تو ضرور اجتناب کیا جائے۔ یعنی شادی کارڈ مختصر اور سادہ چھپوائے جائیں۔ انہیں زیادہ سے زیادہ خوب صورت اور دیدہ زیب بنانے کے لیے گراں سے گراں تر نہ کیا جائے۔ اس طرح کہ گراں قیمت شادی کارڈ سراسر اسراف اور فضول خرچی ہے جس کا کوئی شرعی جواز نہیں۔

ایک اور بے ہودگی شادی کارڈوں میں یہ چل پڑی ہے کہ اپنی قومی زبان اردو کی بجائے اسلام اور مسلمانوں کے شدید دشمن انگریزوں کی زبان میں چھپوائے جانے لگے ہیں۔ یہ بھی ایک چلتا ہوا فیشن اور مقبول عام رجحان ہے۔ حالانکہ مسلمانوں کو تو یہودیوں اور عیسائیوں سے بغض و عداوت رکھنے کا حکم ہے نہ کہ دوستی اور محبت رکھنے کا۔ اور اپنی گھریلو قسم کی تقریبات میں مدعو کرنے کے لیے بھی ہم دعوت نامے انگریزی زبان میں چھپوائیں تو یہ اپنے دشمنوں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا دشمن قرار دیا ہے۔ محبت کا اظہار ہے یا نفرت کا؟ کیا اس طرح ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کو نہایت دیدہ دلیری سے پامال نہیں کر رہے ہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ انگریزی بین الاقوامی اور سائنس و ٹیکنالوجی کی زبان ہے۔ اسے سیکھے بغیر چارہ نہیں۔ ٹھیک ہے اس وقت بد قسمتی اور ہماری کمزوری کی وجہ سے اس کی یہ اہمیت مسلم اور اس کا سیکھنا جائز بلکہ حکومتی پالیسی کی وجہ سے کسب معاش کے لیے اس کا سیکھنا ضروری ہے۔ لیکن حکومتوں کی مسلط کردہ پالیسی یا دیگر دنیوی ضروریات کے لیے انگریزی زبان کا سیکھنا اور چیز ہے۔ اور اس سے محبت رکھنا اور چیز۔ پہلی بات یقیناً جائز ہے اور اسی لیے کوئی عالم انگریزی زبان کے پڑھنے سیکھنے بلکہ اس میں مہارت حاصل کرنے کے ناجائز نہیں کہتا۔ لیکن دوسری بات یعنی اس سے محبت رکھنا اسے اپنا اوڑھنا بچھونا

بنالینا اور اپنی قومی زبان پر اسے ترجیح دینا، اس کا قطعاً کوئی جواز نہیں ہے۔ یہ قومی غیرت کے بھی خالف ہے اور شرعی لحاظ سے بھی حرام اور ناجائز۔

انگریزی زبان میں دعوت نامہ چھپوانا، کسی بھی پاکستانی کی بین الاقوامی ضرورت نہیں ہے۔ جو پاکستانی ایسا کرتا ہے وہ قومی بے غیرتی کا بھی مظاہرہ کرتا ہے اور اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں سے محبت کا والہانہ اظہار بھی۔ اسے اس کا شعور ہو یا نہ ہو، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یوں وہ قومی جرم کا بھی ارتکاب کرتا ہے اور حکم الہی کی پامالی کا ارتکاب بھی۔ (أَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْهُ!)

❦ رات میں شادی کی تقریبات کا انعقاد:

ایک اور نہایت قبیح رواج، جو بہت عام ہو گیا ہے، شادی کی تقریبات کا انعقاد رات کو کرنا ہے۔ اس میں بھی غالباً یہ شیطانی فلسفہ کارفرما معلوم ہوتا ہے کہ رات کے اندھیرے میں بجلی کے قمقمے اور چراغاں جو بہا رہے ہیں، وہ دن کی روشنی میں ممکن نہیں۔ اسی طرح آتش بازی کا سماں بھی رات کی تاریکی ہی میں بندھتا ہے اور آتشیں پٹاخوں کے نہایت خوفناک دھماکے بھی رات ہی کو اہل محلہ کی نیندوں کو خراب کرتے ہیں۔ دن کے شور و شغب میں یہ دھماکے کسی کے آرام و راحت میں زیادہ خلل انداز نہیں ہو سکتے، اور ہم اخلاقی پستی کی جس اتھاہ گہرائی میں جا چکے ہیں، اس کا تقاضا ہے کہ جب تک ہم اہل محلہ کے آرام و سکون کو برباد نہ کر لیں، ہماری خوشی کی تقریب مکمل نہیں ہو سکتی۔ یعنی دوسروں کے سکون و آرام کو برباد کرنے میں ہمیں راحت محسوس ہوتی ہے۔ ورنہ جس قوم کی اخلاقی حس زندہ اور بیدار ہو، وہ کبھی اتنی اخلاقی پستی کا مظاہرہ نہیں کر سکتی جس طرح ہماری قوم کرتی ہے۔ رات کے دو بجے برات واپس آتی ہے تو آتشیں پٹاخوں کے دھماکوں سے سارے محلے کے لوگوں کی نیندیں خراب کر دی جاتی ہیں۔

علاوہ ازیں، رات کی ان تقریبات میں وقت کا جو ضیاع ہوتا ہے، وہ بھی اس قوم کی بے فکری، بے شعوری اور اخلاقیات سے عاری ہونے کی غمازی کرتا

ہے۔ بھلا جس نکاح یا دلیسے کی تقریب کے لیے ۸ یا ۹ بجے کا وقت کارڈ پر لکھا ہو اس کا آغاز رات کے ۱۲ یا ایک بجے سے پہلے نہ ہو تو یہ رواج یا عادت اچھی ہے یا بری؟ اس میں اخلاقی ذمے داری کا احساس پایا جاتا ہے یا اس سے خوفناک بے اعتنائی؟ ذرا تصور کیجئے ان لوگوں کی کوفت، تکلیف اور ان کے ضیاع وقت کا جو دعوت نامے کے مطابق وقت پر تشریف لے آئیں۔ لیکن انہیں ان لوگوں کے انتظار میں جو ۳ یا ۴ گھنٹے تاخیر سے آئیں۔ ۳ یا ۴ گھنٹے انتظار کی سولی پر لٹکائے رکھا جائے۔

ذرا سوچئے! وقت پر آنے والے سزا کے مستحق ہیں یا غیر معمولی تاخیر سے آنے والے؟ لیکن ہمارے ہاں الٹی لنگاہ بہہ رہی ہے۔ کئی کئی گھنٹے تاخیر سے آنے والوں کی سزا، وقت کے ضیاع اور ”الانتظار اشد من الموت“ کے کرب و قلق کی صورت میں، وقت پر آنے والوں کو بھگتنی پڑتی ہے۔ ان سب پر مستزاد رات کو اتنی تاخیر سے سونے کے بعد فجر کی نماز کے لیے اٹھنا بھی ناممکن سا ہے۔ گویا نماز فجر بھی گئی۔ اسی طرح اتنی تاخیر سے واپسی پر ان لوگوں کو جو پریشانی ہوتی ہے جن کے پاس اپنی سواری وغیرہ نہیں ہوتی، اور رات کی تاریکی میں ڈاکوؤں اور لٹیروں کے ہتھے چڑھ جانے کے امکانات بھی بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ بہر حال جس لحاظ سے بھی دیکھا جائے راتوں کو ان تقریبات کا انعقاد غیر صحیح ہے۔ کم از کم دین دار حضرات کو اس فبیج رواج اور رسم سے سختی سے بچنا چاہئے۔ کیونکہ نبی ﷺ کی بابت آتا ہے کہ آپ کو رات کو عشاء سے قبل سونا اور عشاء کے بعد باتیں کرتے رہنا ناپسند تھا۔ (صحیح بخاری المواقیت: باب ما یکرہ من النوم قبل العشاء)

اس حدیث کی روشنی میں بھی اگر دوسری باتوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو راتوں کو شادی کی تقریبات کا کوئی جوا نہیں رہتا۔

تاہم چڑاغاں اور آتش بازی وغیرہ رسومات سے بچتے ہوئے نکاح، تواضع اور رخصتی کی ساری کاروائی۔ وقت کی پابندی کرتے ہوئے۔ مغرب کے

فوراً بعد سے لے کر عشاء کے وقت تک کر لی جائے تو پھر چونکہ مذکورہ قباحتیں پیدا نہیں ہوتی، اس لیے رات کے پہلے پہر میں ان تقریبات کے جواز میں شک کی گنجائش نہیں۔ (شادی بیاہ کی رسومات: ص ۴۷)

﴿ جہیز ایک ہندوؤانہ رسم: ﴾

شادی بیاہ کی بیشتر رسومات ہندوؤانہ فلچر سے مسلمانوں نے اخذ کی ہیں؛ کیونکہ برصغیر میں مسلمانوں کی فتوحات اور آمد سے پہلے ہندوؤں کا راج تھا؛ جو کروڑوں خداؤں کے پجاری، اربوں، کھربوں رسومات میں جھکڑے ہوئے اور کسی بھی سماوی دین سے کوسوں میل دور تھے؛ حتیٰ کہ بے شمار ہندوؤں کے اسلام میں داخل ہونے کے باوجود ان کی ہندوانہ چھاپ کے اثرات محو نہ ہو سکے اور بے شمار قبیح رسومات اور فضول روایات مسلسل ان میں چلی آتی رہیں۔ علاوہ ازیں تقریباً ایک ہزار سال تک مسلمان انہی ہنؤوں کے ساتھ بود و باش اختیار کئے رہے؛ اگرچہ مسلمانوں نے ہمیشہ اسلامی تشخص کا اقتیاز برقرار رکھنے کی کوششیں کیں؛ لیکن تالاب میں ڈکبی لگا کر خشک ہی باہر آ جانا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن سی بات ہے۔ بہر حال میں اس گہرائی میں نہیں جانا چاہتا کہ مسلمان ان ہندوانہ رسومات کے تالاب میں لوٹ پوٹ ہو کر کس قدر ”کچھڑ“ اپنے ساتھ پاکستان لے کر آئے۔ تاہم جہیز کی رسم اس کی ایک ادنیٰ سی مثال ہے جو ہندوانہ معاشرے سے بطور ”تحفہ“ مسلمان اپنے ساتھ لائے ہیں۔

دراصل ہندوانہ معاشرے میں والدین اپنی لڑکیوں کو وراثت میں شامل نہیں کرتے بالکل اسی طرح جس طرح دور جاہلیت میں اہل عرب اپنی لڑکیوں کو وراثت سے محروم کر دیتے تھے؛ بلکہ دور جاہلیت کے اہل عرب میں وراثت کا حقدار صرف سب سے بڑا لڑکا ہوتا تھا جو باپ کی وراثت کے ساتھ اپنی سوتیلی ماں کا بھی ”وارث“ قرار پاتا تھا؛ لیکن جب حضور نبی کریم ﷺ اس معاشرے میں تشریف لائے تو دین اسلام کی سچی، نکھری اور سادگی پر مبنی تعلیمات کے

ذریعے دور جاہلیت کے تمام طوقوں کو آپ ﷺ نے کاٹ پھینکا اور ان تمام رسومات سے لوگوں کو آزادی دی جن کی وجہ سے معاشرے کا ایک بہت بڑا حصہ ظلم و ستم میں کراہ رہا تھا۔ اسی احسان عظیم کی طرف قرآن مجید نے اس طرح اشارہ فرمایا:

﴿يَا مَرْهُم بِالْمَعْرُوفِ وَبَيْنَهُم عَنِ الْمُنْكَرِ وَبِحُلِّ لِهِمُ الطَّيِّبِ وَلِحَرَمِ عَلَيْهِمُ الْخَبِيثِ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ ۙ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (الاعراف: ۱۵۷)

”وہ (نبی ﷺ) انہیں نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں۔ لہذا جو لوگ اس نبی پر ایمان لا کر ان کی حمایت اور مدد کرتے ہیں اور اسی نور (ہدایت) کی پیروی کرتے ہیں جو اس کے ساتھ بھیجا گیا ہے ایسے لوگ ہی کامیاب ہونے والے ہیں۔“ (الاعراف: ۱۵۷)

جہیز، کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے متعدد شادیاں کیں لیکن آپ کی ازواج مطہرات میں سے کوئی بھی اپنے ساتھ جہیز لے کر نہیں آئی۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی چار بیٹیاں تھیں، آپ ﷺ نے چاروں کی شادیاں کیں، لیکن آپ ﷺ نے کسی کو بھی شادی کے موقع پر جہیز نہیں دیا۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بھی کسی سے اس رواج کی کوئی اصل نہیں ملتی۔ اس اعتبار سے یہ خالص ہندوانہ رسم ہے۔ اس لیے کہ ہندو مذہب میں عورت وراثت کی حق دار نہیں ہے، باپ کی جائیداد کی وارث صرف اولاد زینہ ہوتی ہے۔

اس بنا پر ہندو شادی کے موقع پر لڑکی کو گھریلو نوعیت کے سامان کی شکل میں اپنی جائیداد میں سے کچھ حصہ دے دیتے ہیں۔

مسلمانوں نے بھی اس رواج کو اختیار کر لیا۔ اس کی وجہ سے وہ متعدد مشکلات کا شکار ہو گئے۔ ایک تو جہیز کو لازمی تصور کر لیا گیا ہے حتیٰ کہ اس کے لیے بھاری قرض بھی لینا پڑے تو لیتے ہیں۔ اور پھر ساری عمر قرض کے بوجھ تلے دبے رہتے ہیں۔ ثانیاً ہندوؤں کی طرح پھر لڑکیوں کو بالعموم وراثت میں سے حصہ نہیں دیتے، بھائی جہیز ہی کو وراثت کا بدل قرار دے کر بہنوں کو وراثت سے محروم رکھنے کی مذموم سعی کرتے ہیں۔ اس طرح اور بھی متعدد قباحتیں ہیں جو جہیز میں پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک بڑی قباحت یہ ہے کہ مرد منگتا بن جاتا ہے اور وہ لڑکی والوں سے فرمائشی سامان طلب کرتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے عورتوں پر قوام بنایا ہے، اور اس کی دو جہیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جسمانی اور دماغی قوت و صلاحیت میں عورت سے ممتاز کیا ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ وہ عورت پر اپنا مال خرچ کرنے والا ہے۔ یہ مال خرچ کرنا کیا ہے؟ عورت کو مہر دینا۔ اس کے نان و نفقہ کا انتظام کرنا اور شادی کے بھی بیشتر اخراجات براشت کرنا۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت میں مرد کو ولیمہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن لڑکی یا لڑکی کے والدین پر کوئی خرچ نہیں ڈالا گیا ہے۔ بنا بریں مرد کی طرف سے جہیز کا مطالبہ کرنا اس کے شیوہ مردانگی کے بھی خلاف ہے۔

﴿ فاطمی جہیز: www.KitaboSunnat.com ﴾

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بابت جو مشہور ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو جہیز کے طور پر کچھ سامان دیا تھا، یہ یکسر غلط ہے، اس معنی میں جہیز کا لفظ ہی قرآن یا حدیث میں موجود نہیں ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو کچھ دیا گیا اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا کوئی گھربار نہیں تھا۔ نبی کریم ﷺ ہی ان کے کفیل تھے آپ ﷺ کے پاس ہی ان کی پرورش ہوئی۔ جب آپ ﷺ نے اپنی

صاحبزادی کے ساتھ ہی ان کا نکاح بھی کر دیا۔ تو گھر بسانے کے لیے چند چیزیں آپ ﷺ نے انہیں عطا فرمائیں۔ اور وہ حسب ذیل تھیں:

ایک چادر، ایک چمڑے کا تکیہ (جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی)۔ ایک چکی، ایک مشک اور دو منکے۔ (البدایہ والنہایہ: ۶/۳۳۷)

یہ ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جہیز کی اصل حقیقت، اس کا اور ہمارے مروجہ جہیز کا تقابل کر لیں۔ ان کے درمیان کیا نسبت ہے؟ کیا اس سے ہمارے مروجہ جہیز کا اثبات ہوتا ہے؟ نہیں یقیناً نہیں۔ ان کا آپس میں کوئی تقابل ہی نہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں، اپنی اولاد کو عطیہ یا ہبہ دینا، کوئی بری بات تو نہیں۔ یقیناً یہ بات تو صحیح ہے۔ دوسرے اپنی اولاد کو عطیے یا ہبہ کے طور پر دینا جائز بلکہ مستحب ہے۔ لیکن عطیہ یا ہبہ تو دل کی خوشی سے دیا جاتا ہے۔ دوسرے اپنی طاقت کے مطابق دیا جاتا ہے۔ تیسرے اس میں کسی کا دباؤ نہیں ہوتا۔ چوتھے اسے وراثت کا بدل نہیں سمجھا جاتا۔ کیا جہیز میں یہ چیزیں پائی جاتی ہیں۔

ہمارے مروجہ جہیز میں تو ہدیہ یا ہبہ والی مذکورہ چیزیں بالکل نہیں پائی جاتیں۔ اس کو تو شادی کا لازمی حصہ بنا دیا گیا ہے، کسی کے پاس طاقت ہے یا نہیں؟ اس سے کسی کو کوئی غرض نہیں۔ بھاری بھر کم جہیز ضرور ہونا چاہئے۔ نہیں تو سسرال میں لڑکی کا جینا دو بھر کر دیا جائے گا۔ اس دباؤ اور مجبوری کی وجہ سے ہر شخص کو بھاری مقدار میں جہیز مہیا کر کے دینا پڑتا ہے۔ چاہے اس کے بعد وہ ساری عمر قرض کے بوجھ تلے کراہتا رہے۔

بہر حال جہیز کے بارے میں معتدل موقف یہی ہے کہ ماں باپ اپنی طاقت کے مطابق، تھوڑا یا زیادہ، کچھ دیں، تو یہ یقیناً ایک جائز عمل ہے، لیکن اس میں ایک تو معاشرے کا دباؤ یا لڑکے والوں کی طرف سے مطالبہ نہ ہو۔ دوسرا، اسے وراثت سے محروم کرنے کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔ تو پھر شاید اس کا جواز نکل آئے اور اسے ہندوانہ رسم قرار نہ دیا جاسکے۔ (شادی بیاہ کی رسومات)

❁ شادی پر تصویریں اتارنا اور فلم بنانا:

شادی کے موقع پر نہ صرف دولہا اور دلہن کی خوب تصویریں اتاری جاتی ہیں بلکہ شادی میں شریک مختلف لوگ بھی ایک دوسرے کی تصویریں اتارتے ہیں حتیٰ کہ غیر محرم مرد اور عورتیں اکٹھے کھڑے ہو کر تصویریں اترواتے ہیں۔ اسی طرح شادی کی فلم بنائی جاتی ہے جس میں غیر محرم مردوں اور عورتوں کی شادی میں شمولیت کو مکمل طور پر محفوظ کر لیا جاتا ہے۔ پھر شادی کے بعد مختلف مواقع پر اسے دیکھا جاتا رہتا ہے حتیٰ کہ دوست احباب اور شادی میں شریک نہ ہو پانے والے مختلف لوگوں کو بھی شادی کے سارے مناظر دکھائے جاتے ہیں حالانکہ اس طرح کی بے پردگی بے حیائی اور مخلوط مجالس کی اسلام ہرگز اجازت نہیں دیتا۔

نہایت کثیر التعداد اور قوی الاسناد اور متواتر المعنی احادیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے ذی روح اشیاء کی تصویریں بنانے اور رکھنے کو قطعی حرام قرار دیا ہے۔ اس معاملہ میں جو ارشادات آپ ﷺ سے ثابت ہیں اور جو آثار اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہوئے ہیں انہیں ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

❁ احادیث رسول ﷺ:

۱- عن عائشة أم المؤمنين أن أم حبيبة وأم سلمة ذكرتا كنيسة رأينها بالحبشة فيها تصاویر فذكرتا للنبي ﷺ فقال: «إن أولئك إذا كان فيهم الرجل الصالح فمات بنوا على قبره مسجدا وصوروا فيه تلك الصور فأولئك شرار الخلق عند الله يوم القيامة.

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت ام حبیبہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے حبشہ میں ایک کنیہ دیکھا تھا جس میں تصویریں تھیں۔ اس کا ذکر انہوں نے نبی ﷺ سے کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان لوگوں کا حال یہ تھا کہ جب ان میں کوئی صالح شخص ہوتا تو اس کے مرنے کے بعد وہ اس کی قبر

(بخاری: کتاب الصلوٰۃ، مسلم: کتاب المساجد) پر ایک عبادت گاہ بناتے اور اس میں یہ تصویریں بنالیا کرتے تھے۔ یہ لوگ قیامت کے روز اللہ کے نزدیک بدترین خلائق قرار پائیں گے۔

۲- عن أبی جُحَیْفَة أن رسول اللہ ﷺ لعن المصور. (بخاری: کتاب البیوع، کتاب الطلاق و کتاب اللباس)

۳- عن أبی زرعة قال: دخلت مع أبی هريرة داراً بالمدينة فرأی أعلاها مصوراً يصور. قال: سمعت رسول اللہ ﷺ يقول: «ومن أظلم ممن ذهب يخلق كخلقی فليخلقوا حبة وليخلقوا ذرة». (بخاری: کتاب اللباس، مسند احمد اور مسلم کی روایت میں تصریح ہے کہ یہ مروان کا گھر تھا) کوشش کرے۔ یہ لوگ ایک دانہ یا ایک چوٹی تو بنا کر دکھائیں۔

۴- عن أبی محمد الهذلی عن علی قال کان رسول اللہ ﷺ فی جنازة، فقال: «ایکم ينطلق إلى المدينة فلا يدع بها وثناً إلا كسره ولا قبراً إلا سواه ولا صورة إلا لطخها. فقال رجل: أنا یا رسول اللہ

ابو محمد ہذلی، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک جنازے میں شریک تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم لوگوں میں سے کون ہے جو جا کر مدینہ میں کوئی بت نہ چھوڑے جسے توڑ نہ دے اور کوئی قبر نہ چھوڑے جسے زمین کے برابر نہ

کر دے اور کوئی تصویر نہ چھوڑے جسے مٹانہ دے۔ ایک شخص نے عرض کیا میں اس کے لیے حاضر ہوں۔ چنانچہ وہ گیا مگر اہل مدینہ کے خوف سے یہ کام کیے بغیر پلٹ آیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں جاتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھا تم جاؤ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ گئے اور واپس آ کر انہوں نے عرض کیا کہ میں نے کوئی بُت نہیں چھوڑا جسے توڑ نہ دیا ہو کوئی قبر نہیں چھوڑی جسے زمین کے برابر نہ کر دیا ہو اور کوئی تصویر نہیں چھوڑی

جسے مٹانہ دیا ہو۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ”اب اگر کسی شخص نے ان چیزوں میں سے کوئی چیز بنائی تو اس نے اس تعلیم سے کفر کیا جو محمد (ﷺ) پر نازل ہوئی ہے۔“

ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں..... اور جس شخص نے تصویر بنائی اسے عذاب دیا جائے گا اور مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس میں روح پھونکے اور وہ نہ پھونک سکے گا۔

سعید بن ابوالحسن کہتے ہیں کہ میں

فانطلق فہاب أهل المدينة. فرجع. فقال علي: أنا أنطلق يا رسول الله. قال فانطلق، فانطلق ثم رجع. فقال: يا رسول الله! لم أدع بها وثنا إلا كسرتة ولا قبرا إلا سويتة ولا صورة إلا لطختها. ثم قال رسول الله ﷺ: من عاد لصنعة شيء من هذا فقد كفر بما أنزل على محمد ﷺ.

(مسند احمد مسلم: کتاب الجنائز اور نسائی: کتاب الجنائز میں بھی اس مضمون کی ایک حدیث منقول ہوئی ہے)

۵- عن ابن عباس عن النبي ﷺ ومن صور صورة عذب وكلف أن ينفخ فيها وليس بنافخ. (بخاری: کتاب التعمیر، ترمذی: ابواب اللباس نسائی: کتاب الزينة مسند احمد)

۶- عن سعید بن أبي الحسن

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا تھا، اتنے میں ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ اے ابن عباس میں ایک ایسا شخص ہوں جو اپنے ہاتھ سے روزی کھاتا ہے اور میرا روزگار یہ تصویریں بنانا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ میں تم سے وہی بات کہوں گا جو میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنی ہے۔ میں نے آپ ﷺ سے یہ بات سنی ہے کہ جو شخص تصویر بنائے گا اللہ اسے عذاب دے گا اور اسے نہ چھوڑے گا جب تک وہ اس میں روح نہ پھونکے اور وہ کبھی روح نہ پھونک سکے گا۔ یہ بات سن کر وہ شخص سخت برا فروختہ ہوا اور اس کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا۔ اس پر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: بندہ خدا! اگر تجھے تصویر بنانی ہی ہے تو اس درخت کی بنا، یا کسی ایسی چیز کی بنا جس میں روح نہ ہو۔

قال: كنت عند ابن عباس رضي الله عنهما إذ أتاه رجل. فقال: يا أبا عباس! إني إنسان إنما معيشتي من صنعة يدي وإني أصنع هذه التماوير. فقال ابن عباس: لا أحدثك إلا ما سمعت رسول الله ﷺ يقول، سمعته يقول: «من صور صورة فإن الله معذبه حتى ينفخ فيها الروح وليس بنافع فيها أبدا». فربا الرجل روبة شديدة واصفر وجهه. فقال: ويحك إن أبيت إلا أن تصنع فعليك بهذا الشجر كل شيء ليس فيه روح.

(بخاری: کتاب البیوع، مسلم: کتاب اللباس، نسائی: کتاب الزینۃ، مسند احمد)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے روز اللہ کے ہاں سخت ترین سزا پانے والے مصور ہوں گے۔“

۷- عن عبداللہ بن مسعود قال: سمعت النبی ﷺ يقول: «إن أشد الناس عذاباً عند الله يوم القيامة المصورون».

(بخاری: کتاب اللباس، مسلم: کتاب اللباس، نسائی: کتاب الزینۃ، مسند احمد)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو لوگ یہ تصویریں بناتے ہیں ان کو قیامت کے روز عذاب دیا جائے گا“ ان سے کہا جائے گا کہ: جو کچھ تم نے بنایا ہے اسے زندہ کرو۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک تکیہ خریدا جس میں تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ پھر نبی ﷺ تشریف لائے اور دروازے ہی میں کھڑے ہو گئے۔ اندر داخل نہ ہوئے۔ میں نے عرض کیا کہ میں اللہ سے توبہ کرتی ہوں ہر اس گناہ پر جو میں نے کیا ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تکیہ کیسا ہے؟ میں نے عرض کیا یہ اس غرض کے لیے ہے کہ آپ ﷺ یہاں تشریف رکھیں اور اس پر ٹیک لگائیں۔ فرمایا: ”ان تصویروں کے بنانے والوں کو قیامت کے روز

عذاب دیا جائے گا۔ ان سے کہا جائے گا کہ جو کچھ تم نے بنایا ہے اس کو زندہ کرو۔ اور ملائکہ (یعنی ملائکہ رحمت) کسی ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویریں ہوں۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

۸- عن عبد اللہ بن عمر أن رسول اللہ ﷺ قال: «إن الذين يصنعون هذه الصور يعذبون يوم القيامة، يقال لهم: أحيوا ما خلقتم». (بخاری: کتاب اللباس' مسلم: کتاب اللباس' نسائی: کتاب الزینۃ' مسند احمد)

۹- عن عائشة رضی اللہ عنہا أنها اشتریت نمرقة فیہا تصاویر فقام النبی ﷺ بالباب ولم یدخل. فقلت: أتوب إلى الله مما أذنبت. قال: «ما هذه النمرقة؟» قلت: لتجلس علیہا وتوسدہا. قال: «إن أصحاب هذه الصور يعذبون يوم القيامة، يقال لهم: أحيوا ما خلقتم وإن الملائكة لا تدخل بيتا فيه الصورة».

(بخاری: کتاب اللباس' مسلم: کتاب اللباس' نسائی: کتاب الزینۃ' ابن ماجہ: کتاب التجارات' موطا: کتاب الاستئذان)

۱۰- عن عائشة قالت: دخل

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ میرے
ہاں تشریف لائے اور میں نے ایک
پردہ لٹکا رکھا تھا جس میں تصویر تھی۔
آپ ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل
گیا، پھر آپ ﷺ نے اس پردے کو
لے کر پھاڑ ڈالا اور فرمایا قیامت کے
روز سخت ترین عذاب جن لوگوں کو دیا
جائے گا ان میں سے وہ لوگ بھی
ہیں جو اللہ کی تخلیق کے مانند تخلیق کی کوشش کرتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک
دفعہ رسول اللہ ﷺ سفر سے واپس
تشریف لائے اور میں نے اپنے
دروازے پر ایک پردہ لٹکا رکھا تھا
جس میں گھوڑوں کی تصویریں تھیں۔
آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اسے اتار
دوں اور میں نے اتار دیا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے
ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے
منع فرما دیا کہ گھر میں تصویر رکھی
جائے اور اس سے بھی منع فرمایا دیا
کہ کوئی شخص تصویر بنائے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما ابو طلحہ انصاری رضی اللہ
سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ

عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَأَنَا
مُتَسْتَرَةٌ بِقِرَامٍ فِيهِ صُورَةُ فَتُلَوَّنُ
وَجْهَهُ ثُمَّ تَنَالُ السِّتْرَ فَهَتَكَه
ثُمَّ قَالَ: «إِنْ مِنْ أَشَدِّ النَّاسِ
عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الَّذِينَ
يَشْبَهُونَ بِخَلْقِ اللَّهِ».
(مسلم: کتاب اللباس بخاری: کتاب اللباس
نسائی: کتاب الزینۃ)

۱۱- عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَدِمَ
رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ سَفَرٍ وَقَدْ
سَتَرْتُ عَلَى بَابِي دُرْنُوكًا فِيهِ
الْخَيْلُ ذَوَاتُ الْأَجْنَحَةِ.
فَأَمَرَنِي، فَزَعَتَهُ.
(مسلم: کتاب اللباس نسائی: کتاب الزینۃ)

۱۲- عَنْ جَابِرٍ قَالَ: نَهَى
رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ الصُّورَةِ فِي
الْبَيْتِ وَنَهَى أَنْ يُصْنَعَ ذَلِكَ.
(ترمذی: ابواب اللباس)

۱۳- عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ أَبِي
طَلْحَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا

تدخل الملائكة بيتا فيه كلب (بخاری: کتاب اللباس) نے فرمایا: ”ملائکہ (یعنی ملائکہ ولا صورة)۔ (رحمت) کسی ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا پلا ہوا ہو اور نہ ایسے گھر میں جس میں تصویر ہو۔“

۱۴- عن عبد الله بن عمر قال: حضرت عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے وعد النبي ﷺ جبریل فراث ہیں کہ ایک مرتبہ جبریل علیہ السلام نے علیہ حتی اشتد علی النبی ﷺ فخرج النبی ﷺ فلقیہ فشکا إلیہ ما وجد. فقال له: «إنا لا ندخل بیتا فیہ صورة ولا کلب»۔ (بخاری: کتاب اللباس) اس مضمون کی متعدد روایات بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، امام مالک اور امام احمد نے متعدد صحابہ سے نقل کی ہیں) آپ ﷺ کو اس سے پریشانی ہوئی اور آپ ﷺ گھر سے نکلے تو وہ مل گئے۔ آپ ﷺ نے ان سے شکایت کی تو انہوں نے کہا کہ ہم کسی ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو یا تصویر ہو۔

ان روایات کے مقابلے میں کچھ روایتیں ایسی بھی پیش کی جاتی ہیں جن میں تصاویر کے معاملہ میں رخصت پائی جاتی ہے۔ مثلاً ابوطلمحہ انصاری رضی اللہ عنہ کی یہ روایت کہ جس کپڑے میں تصویر کڑھی ہوئی ہو اس کا پردہ لٹکانے کی اجازت ہے۔ (بخاری: کتاب اللباس) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت کہ تصویر دار کپڑے کو پھاڑ کر جب انہوں نے گدایا لیا تو آپ ﷺ نے اسے بچھانے سے منع نہ فرمایا۔ (مسلم: کتاب اللباس) اور سالم بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت کہ ممانعت اس تصویر کی ہے جو نمایاں مقام پر نصب کی گئی ہو نہ کہ اس تصویر کی جو فرش کے طور پر بچھا دی گئی ہو۔ (مسند احمد) لیکن ان میں سے کوئی حدیث بھی دراصل ان احادیث کی تردید نہیں کرتی جو اوپر نقل کی گئی ہیں۔ جہاں تک تصویر بنانے کا تعلق ہے اس کا جواز ان میں سے کسی حدیث سے بھی نہیں نکلتا۔ یہ

احادیث صرف اس مسئلے سے بحث کرتی ہیں کہ اگر کسی کپڑے پر تصویر بنی ہوئی ہو اور آدمی اس کو لے چکا ہو تو کیا کرے۔ اس باب میں ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ والی روایت کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہے، کیونکہ وہ بکثرت دوسری صحیح احادیث سے ٹکراتی ہے جن میں نبی ﷺ نے تصویر واکپڑا لٹکانے سے نہ صرف منع فرمایا ہے بلکہ اسے پھاڑ دیا ہے۔ نیز خود حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا اپنا عمل جو ترمذی اور موطا میں منقول ہوا ہے وہ یہ ہے کہ وہ تصویر دار پردہ لٹکانا تو درکنار وہ ایسا فرش پانے میں بھی کراہت محسوس کرتے تھے جس میں تصاویر ہوں۔ رہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور سالم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی روایات تو ان سے صرف اتنا جواز نکلتا ہے کہ اگر تصویر احترام کی جگہ پر نہ ہو بلکہ ذلت کے ساتھ فرش میں رکھی جائے اور اسے پامال کیا جائے تو وہ قابل برداشت ہے۔ ان احادیث سے آخر اس پوری ثقافت کا جواز کیسے نکالا جاسکتا ہے جو تصویر کشی اور مجسمہ سازی کے آرٹ کو تہذیب انسانی کا قابل فخر کمال قرار دیتی ہے اور اسے مسلمانوں میں رواج دینا چاہتی ہے۔

تصاویر کے معاملہ میں نبی ﷺ نے آخر کار امت کے لیے جو ضابطہ چھوڑا ہے اس کا پتہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس طرز عمل سے چلتا ہے جو انہوں نے اس باب میں اختیار کیا۔ اسلام میں یہ اصول مسلم ہے کہ معتبر اسلامی ضابطہ وہی ہے جو تمام تدریجی احکام اور ابتدائی رخصتوں کے بعد آپ ﷺ نے اپنے آخر عہد میں مقرر کر دیا ہو۔ اور آپ ﷺ کے بعد اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا کسی طریقے پر عمل درآمد کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ اسی طریقے پر رسول اللہ ﷺ نے امت کو چھوڑا تھا۔ اب دیکھئے کہ تصویروں کے ساتھ اس مقدس گروہ کا کیا برتاؤ تھا۔

﴿ آثار صحابہ ﴾

قال عمر رضی اللہ عنہ إنا لا ندخل
كنائسكم من أجل التماثيل
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عیسائیوں سے کہا
کہ ہم تمہارے کنیسوں میں اس لیے

داخل نہیں ہوتے کہ ان میں تصویریں ہوتی ہیں۔

التی فیہا الصور
(بخاری: کتاب الصلوٰۃ)

ابن عباس رضی اللہ عنہما گرجا میں نماز پڑھ لیتے تھے، مگر کسی ایسے گرجا میں نہیں جس میں تصویریں ہوں۔

کان ابن عباس یصلی فی بیعة
إلا بیعة فیہا تماثیل.
(بخاری: کتاب الصلوٰۃ)

ابوالہیاج اسدی کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کیا نہ بھیجوں میں تم کو اس مہم پر جس پر رسول اللہ ﷺ نے مجھے بھیجا تھا؟ اور وہ یہ ہے کہ تم کوئی مجسمہ نہ چھوڑو جسے توڑ نہ دو اور کوئی اونچی قبر نہ چھوڑو جسے زمین کے برابر نہ کر دو اور کوئی تصویر نہ چھوڑو جسے مٹانہ دو۔

عن أبی الہیاج الأسدی، قال:
لی علی ألا أبعثک علی ما
بعثنی علیہ رسول اللہ ﷺ أن
لا تدع تماثلا إلا طمستہ ولا
قبرا مشرفا إلا سویتہ ولا
صورة إلا طمستہا.
(مسلم نسائی: کتاب الجنائز)

حنش الکنانی کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی پولیس کے کوتوال سے کہا کہ تم جانتے ہو میں کس مہم پر تمہیں بھیج رہا ہوں؟ اس مہم پر جس پر رسول اللہ ﷺ نے مجھے بھیجا تھا۔ یہ کہ میں ہر تصویر کو مٹا دوں اور ہر قبر کو زمین کے برابر کر دوں۔

عن حنش الکنانی عن علی
أنہ بعث عامل شرطتہ فقال
لہ: أتدری علی ما أبعثک؟
علی ما بعثنی علیہ رسول اللہ
ﷺ أن أنحت کل صورة وأن
أسوی کل قبر. (مسند احمد)

اسی ثابت شدہ اسلامی ضابطہ کو فقہائے اسلام نے تسلیم کیا ہے اور اسے قانون اسلامی کی ایک دفعہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ بدرالدین عینی توضیح کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

”ہمارے اصحاب (یعنی فقہائے احناف) اور دوسرے فقہاء کہتے ہیں کہ کسی جاندار چیز کی تصویر بنانا حرام ہی نہیں، سخت حرام اور کبیرہ گناہوں میں سے ہے، خواہ بنانے والے نے اسے کسی ایسے استعمال کے لیے بنایا ہو جس میں اس کی تذلیل ہو یا کسی دوسری غرض کے لیے۔ ہر حالت میں تصویر کشی حرام ہے کیوں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے مشابہت ہے۔ اسی طرح تصویر خواہ کپڑے میں ہو یا فرش میں یا دینار یا درہم یا پیسے میں یا کسی برتن میں یا دیوار میں، بہر حال اس کا بنانا حرام ہے۔ البتہ جاندار کے سوا کسی دوسری چیز مثلاً درخت وغیرہ کی تصویر بنانا حرام نہیں ہے۔ ان تمام امور میں تصویر کے سایہ دار ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہی رائے امام مالک، سفیان، ثوری، امام ابو حنیفہ اور دوسرے علماء کی ہے۔ قاضی عیاض کہتے ہیں کہ اس سے لڑکیوں کی گڑیاں مستثنیٰ ہیں۔ مگر امام مالک ان کے خریدنے کو بھی ناپسند کرتے تھے۔“ (عمدة القاری: ج ۲، ص ۷۰۔ اسی مسلک کو امام نووی نے شرح مسلم میں زیادہ تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے۔

ملاحظہ ہو شرح نووی: ج ۱۳، ص ۸۱-۸۲، مطبوعہ مصر)

یہ تو ہے تصویر سازی کا حکم، رہا دوسرے کی بنائی ہوئی تصویر کے استعمال کا مسئلہ تو اس کے بارے میں فقہائے اسلام کے مسالک حافظ ابن حجر نے اس طرح نقل کئے ہیں:

”مالکی فقیہ ابن عربی کہتے ہیں کہ جس تصویر کا سایہ پڑتا ہو اس کے حرام ہونے پر تو اجماع ہے۔ قطع نظر اس سے کہ وہ تحقیر کے ساتھ رکھی گئی ہو یا نہ۔ اس اجماع سے صرف لڑکیوں کی گڑیاں مستثنیٰ ہیں..... ابن عربی یہ بھی کہتے ہیں کہ جس تصویر کا سایہ نہ

پڑتا ہو وہ اگر اپنی حالت پر باقی رہے (یعنی آئینہ کی پرچھائیں کی طرح نہ ہو بلکہ چھپی ہوئی تصویر کی طرح ثابت و قائم ہو) تو وہ بھی حرام ہے خواہ اسے حقارت کے ساتھ رکھا گیا ہو یا نہ۔ البتہ اگر اس کا سر کاٹ دیا گیا ہو یا اس کے اجزاء الگ الگ کر دیے گئے ہوں تو اس کا استعمال جائز ہے۔ امام الحرمینؒ نے ایک مسلک یہ نقل کیا ہے کہ پردے یا تکیے پر اگر تصویر ہو تو اس کے استعمال کی اجازت ہے مگر دیوار یا چھت میں جو تصویر لگائی جائے وہ ممنوع ہے۔ کیونکہ اس صورت میں اس کا اعزاز ہو گا بخلاف اس کے پردے اور تکیے کی تصویر حقارت سے رہے گی۔ ابن ابی شیبہؒ نے عکرمہؒ سے نقل کیا ہے کہ زمانہ تابعینؒ کے علماء یہ رائے رکھتے تھے کہ فرش اور تکیے میں تصویر کا ہونا اس کے لیے باعث ذلت ہے۔ نیز ان کا یہ خیال بھی تھا کہ اونچی جگہ پر جو تصویر لگائی گئی ہو وہ حرام ہے۔ اور قدموں میں جسے پامال کیا جاتا ہو وہ جائز ہے۔ یہی رائے ابن سیرینؒ، سالم بن عبد اللہؒ، عکرمہ بن خالدؒ اور سعید بن جبیرؒ سے بھی منقول ہے۔“

(فتح الباری: ج ۱۰، ص ۳۰۰)

اس تفصیل سے یہ بات بھی اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام میں تصاویر کی حرمت کوئی مختلف فیہ یا مشکوک مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ نبی ﷺ کے صریح ارشادات، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل اور فقہائے اسلام کے متفقہ فتاویٰ کی رو سے ایک مسلم قانون ہے جسے آج بیرونی ثقافتوں سے متاثر لوگوں کی موشگافیاں بدل نہیں سکتیں۔

اس سلسلے میں چند باتیں اور بھی سمجھ لینی ضروری ہیں تاکہ کسی قسم کی غلط فہمی

باقی نہ رہے۔

بعض لوگ فوٹو اور ہاتھ سے بنی ہوئی تصویر میں فرق کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ شریعت بجائے خود تصویر کو حرام کرتی ہے نہ کہ تصویر سازی کے کسی خاص طریقے کو۔ فوٹو اور دستی تصویر میں تصویر ہونے کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے۔ ان کے درمیان جو کچھ بھی فرق ہے وہ طریق تصویر سازی کے لحاظ سے ہے اور اس لحاظ سے شریعت نے احکام میں کوئی فرق نہیں کیا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ صرف وہ تصویریں ممنوع ہونی چاہئیں جو مشرکانہ نوعیت کی ہیں یعنی ایسے اشخاص کی تصاویر اور مجسمے جن کو معبود بنالیا گیا ہو باقی دوسری تصویروں اور مجسموں کے حرام ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ لیکن اس طرح کی باتیں کرنے والے دراصل شاریع کے احکام و ارشادات سے قانون اخذ کرنے کے بجائے آپ ہی اپنے شارع بن بیٹھتے ہیں۔ ان کو یہ معلوم نہیں ہے کہ تصویر صرف ایک شرک و بت پرستی ہی کی موجب نہیں بنتی بلکہ دنیا میں دوسرے بہت سے فتنوں کی موجب بھی بنی ہے اور بن رہی ہے۔ تصویر ان بڑے ذرائع میں سے ایک ہے جن سے بادشاہوں، ڈکٹیٹروں اور سیاسی لیڈروں کی عظمت کا سکھ عوام الناس کے دماغوں پر بٹھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ تصویر کو دنیا میں شہوانیت پھیلانے کے لیے بھی بہت بڑے پیمانے پر استعمال کیا گیا ہے اور آج یہ فتنہ ہر زمانے سے زیادہ برسر عروج ہے۔ تصاویر قوموں میں نفرت اور عداوت کے بیج بونے، فساد ڈلوانے اور عام لوگوں کو طرح طرح سے گمراہ کرنے کے لیے بھی بکثرت استعمال کی جاتی رہی ہیں۔ اور آج سب سے زیادہ استعمال کی جا رہی ہیں۔ اس لیے یہ سمجھنا کہ شاریع نے تصویر کی حرمت کا حکم صرف بت پرستی کے استیصال کی خاطر دیا ہے، اصلاً غلط ہے۔ شاریع نے مطلقاً جاندار اشیاء کی تصویر کو رد کیا ہے۔ ہم اگر خود شاریع نہیں بلکہ شاریع کے متبع ہیں تو ہمیں علی الاطلاق اس سے رک جانا چاہئے۔ ہمارے لیے یہ کسی طرح جائز نہیں ہے کہ اپنی طرف سے کوئی علت حکم خود تجویر کر کے اس کے لحاظ سے بعض تصویروں کو حرام اور بعض کو حلال قرار دینے لگیں۔

بعض لوگ چند بظاہر بالکل ”بے ضرر“ قسم کی تصاویر کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں کہ آخر ان میں کیا خطرہ ہے؟ یہ تو شرک اور شہوانیت اور فساد انگیزی اور سیاسی پروپیگنڈے اور ایسے ہی دوسرے منقہدات سے قطعی پاک ہیں، پھر ان کے ممنوع ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ اس معاملہ میں لوگ پھر وہی غلطی کرتے ہیں کہ پہلے علتِ حکم خود تجویز کر لیتے ہیں اور اس کے بعد یہ سوال کرتے ہیں کہ جب فلاں چیز میں یہ علت نہیں پائی جاتی تو وہ کیوں ناجائز ہے۔ علاوہ بریں یہ لوگ اسلامی شریعت کے اس قاعدے کو بھی نہیں سمجھتے کہ وہ حلال اور حرام کے درمیان ایسی دھندلی اور مبہم حد بندیاں قائم نہیں کرتی، جن سے آدمی یہ فیصلہ نہ کر سکتا ہو۔ کہ وہ کہاں تک جواز کی حد میں ہے۔ اور کہاں اس حد کو پار کر گیا ہے۔ بلکہ ایسا واضح خط امتیاز کھینچتی ہے جسے ہر شخص روز روشن کی طرح دیکھ سکتا ہے۔ تصاویر کے درمیان یہ حد بندی قطعی واضح ہے کہ جانداروں کی تصویریں حرام اور بے جان اشیاء کی تصویریں حلال ہیں۔ اس خط امتیاز میں کسی اشتباہ کی گنجائش نہیں ہے۔ جسے احکام کی پیروی کرنی ہو وہ صاف صاف جان سکتا ہے کہ اس کے لیے کیا چیز جائز ہے اور کیا ناجائز۔ لیکن اگر جانداروں کی تصاویر میں سے بعض کو جائز اور بعض کو ناجائز ٹھہرایا جاتا تو دونوں قسم کی تصاویر کی کوئی بڑی سے بڑی فہرست بیان کر دینے کے بعد بھی جواز و عدم جواز کی سرحد کبھی واضح نہ ہو سکتی۔ اور بے شمار تصویروں کے بارے میں یہ اشتباہ باقی رہ جاتا کہ انہیں حد جواز کے اندر سمجھا جائے یا باہر۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے شراب کے بارے میں اسلام کا یہ حکم کہ اس سے قطعی اجتناب کیا جائے ایک صاف حد قائم کر دیتا ہے۔ لیکن اگر یہ کہا جاتا کہ اس کی اتنی مقدار استعمال کرنے سے پرہیز کیا جائے جس سے نشہ پیدا ہو تو حلال اور حرام کے درمیان کسی جگہ بھی حد فاصل قائم نہ کی جاسکتی۔ اور کوئی شخص بھی فیصلہ نہ کر سکتا کہ کس حد تک وہ شراب پی سکتا ہے اور کہاں جا کر اسے رک جانا چاہئے۔ (تفہیم القرآن: ج ۲ ص ۱۸۱)

شادی کے بعد ولیمہ

اپنی حسب خواہش کسی عورت سے نکاح ہو جانا بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت اور دلی خوشی اور مسرت کی بات ہے اور اس کا حق ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر اور اپنی دلی مسرت و شادمانی کا اظہار ہو ولیمہ اسی کی عملی شکل ہے۔ اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ اس کے ذریعہ شادی کرنے والے مرد اور اس کے گھرانے کی طرف سے خوبصورتی کے ساتھ اس کا اعلان و اظہار ہو جاتا ہے کہ شادی کے اس رشتہ سے ہم کو اطمینان اور خوشی ہے اور ہم اس کو اللہ تعالیٰ کی قابل شکر نعمت سمجھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ چیز منکوحہ عورت اور اس کے گھر والوں کے لیے بڑی خوشی اور اطمینان کا باعث ہوگی اور اس سے باہمی تعلق و مودت میں اضافہ ہوگا۔..... رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات اور عمل دونوں سے اس کی رہنمائی فرمائی۔

عن أنس أن النبي ﷺ رأى
على عبد الرحمن بن عوف
أثر صُفْرَةٍ فَقَالَ: «مَا هَذَا؟»
قَالَ: تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً عَلَى وَزْنِ
نَوَاقٍ مِنْ ذَهَبٍ. قَالَ: «بَارَكَ اللَّهُ
لَكَ أَوَّلُكُمْ وَلَوْ بِشَاةٍ».
(مشکوٰۃ: ص ۲۷۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے
کہ رسول اللہ ﷺ نے عبد الرحمن
بن عوف رضی اللہ عنہ پر (یعنی ان کے
کپڑوں پر یا جسم پر) زردی کا کچھ
اثر دیکھا تو ان سے پوچھا یہ کیا ہے؟
انہوں نے عرض کیا کہ میں نے ایک
عورت سے شادی کی ہے کھجور کی

گٹھلی کے وزن برابر سونے پر (یعنی اس کا مہر اتنا مقرر کیا ہے) آپ ﷺ
نے فرمایا ”اللہ تمہیں مبارک کرے۔ ولیمہ کی دعوت کرو اگرچہ ایک بکری ہی
کیوں نہ ہو۔“

ایک بات اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و تربیت نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایسا بنادیا تھا کہ وہ اپنی شادی نکاح کی تقریبات میں بھی آپ ﷺ کو شرکت کی زحمت نہیں دیتے تھے بلکہ اطلاع کرنا بھی ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ جو خواص اصحاب اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں انہوں نے خود اپنی شادی کی اور آپ ﷺ کو خبر بھی نہیں ہوئی۔

حدیث میں عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ پر زردی کے اثر کا جو ذکر ہے اس کی حقیقت یہ سمجھنی چاہئے کہ نئی دلہنیں زعفران وغیرہ سے رنگے ہوئے کپڑے پہنتی تھیں اس کا اثر مرد کے کپڑوں یا جسم پر بھی آجاتا تھا رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح کا اثر عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ پر محسوس کیا تھا۔ واللہ اعلم۔

عن أنس قال: مَا أَوْلَمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى أَحَدٍ مِّنْ نِّسَاءِهِ مَا أَوْلَمَ عَلَى زَيْنَبَ أَوْلَمَ بِشَاةٍ.
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی کسی بیوی کے نکاح پر ایسا ولیمہ نہیں کیا جیسا کہ زینب بنت جحش کے نکاح کے موقع (مشکوٰۃ: ۲۷۸)

پر کیا پوری ایک بکری پر ولیمہ کیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اور سب بیویوں کے نکاح پر آپ ﷺ نے جو ولیمہ کی دعوت کی وہ اس سے مختصر اور ہلکے پیمانہ پر کی تھی۔ چنانچہ صحیح بخاری میں صفیہ بنت شیبہ کی روایت سے یہ حدیث مروی ہے کہ آپ ﷺ نے بعض بیویوں کے نکاح پر جو ولیمہ کی دعوت کی تو صرف دو سیر جو کام میں آئے اور اسی صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ بیان مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے نکاح میں لیا اور لوگوں کو ولیمہ کی دعوت دی تو دسترخوان پر گوشت روٹی کچھ نہیں تھا کچھ کھجوریں تھیں اور کچھ پنیر اور مکھن تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ولیمہ کے لیے باقاعدہ کھانے کی دعوت بھی ضروری نہیں کھانے پینے کی جو بھی مناسب اور مرغوب چیز میسر ہو رکھ دی

❦ ولیمہ کی دعوت قبول کرنی چاہئے:

ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ حکم دیا تھا اس وقت ویسے صحیح قسم کے ہی ہوتے تھے اور ایسے ویسے جب بھی اور جہاں بھی ہوں ان کے لیے یہی حکم ہے۔ ایسی مخلصانہ دعوتیں بابرکت ہیں۔ لیکن جن ولیموں میں کھلا اسراف اور نمائش و تفاخر ہو یا دوسری قسم کے منکرات ہوں ان کے لیے ہرگز یہ حکم نہیں ہے۔ بلکہ ایسے لوگوں کے ہاں کھانے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ کیسے لوگوں کا کھانا نہ کھایا جائے:

عن ابن عباس أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ
نَهَى عَنْ طَعَامِ الْمُتَبَارِئِينَ أَنْ
يُؤْكَلِ (مشکوٰۃ: ص ۲۷۹)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے
روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے
باہم مقابلہ کرنے والوں کا کھانا
کھانے سے منع فرمایا۔

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ایک دوسرے کے مقابلے میں اپنی شان اونچی دکھانے کے لیے شاندار دعوتیں کریں ان کے کھانے میں شرکت کرنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: «شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

الْوَلِيْمَةُ يَدْعِي لَهَا الْأَغْنِيَاءُ اس ولیمہ کا کھانا برا کھانا ہے جس
وَبِتْرَكَ الْفُقَرَاءُ وَمَنْ تَرَكَ میں صرف امیروں کو بلایا جائے اور
الدَّعْوَةُ فَقَدْ عَصَى اللَّهَ حاجتمندوں غریبوں کو چھوڑ دیا
وَرَسُولُهُ. (مکتوۃ: ص ۲۷۸) جائے۔ اور جس نے دعوت کو (بلاوجہ

شرعی) قبول نہ کیا تو اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے خلاف کیا۔
حدیث کے پہلے جُز کا مقصد و مدعا یہ ہے کہ جب کوئی ولیمہ کرے تو
غریبوں، حاجتمندوں کو نظر انداز نہ کرے۔ ان کو ضرور دعوت دے۔ جس ولیمہ
میں ان کو نہ بلایا جائے صرف امیروں اور بڑے لوگوں کو مدعو کیا جائے اس کا کھانا
اس لائق نہیں ہے کہ کھایا جائے۔ ظاہر ہے کہ ولیمہ کے علاوہ دوسری قسم کی
دعوتوں کا حکم بھی یہی ہے۔ حدیث کے دوسرے جُز کا مقصد و مدعا یہ ہے کہ
اگر کوئی شرعی مانع یا مجبوری نہ ہو تو مسلمان بھائی کی دعوت کو قبول کرنا چاہئے۔
اس سے دلوں میں جوڑ پیدا ہوتا ہے۔ اور قبول نہ کرنے سے دلوں میں دوری اور
بدگمانیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ اس لیے بلاوجہ دعوت کا قبول نہ کرنا اللہ و رسول ﷺ
کی مرضی اور حکم کے خلاف ہے۔

مباشرت

شادی ہو جانے کے بعد اسلام نے اس کا پورا موقع دیا ہے کہ شوہر بیوی
سے اور بیوی شوہر سے دستور کے مطابق پوری طرح متمتع ہوں اس سلسلہ میں
کوئی ادنیٰ رکاوٹ بھی باقی رکھی نہیں گئی ہے اور نہ دوسروں کی رکاوٹ برداشت کی
گئی ہے۔ باہمی لطف اندوزی میں دن رات کی کوئی قید نہیں۔

❦ زفاف سنت کی روشنی میں:

نکاح ہو جانے کے بعد پہلی رات کو عورتیں لڑکی کو اس کے شوہر کے

کمرے تک پہنچاتی ہیں، یہ طریقہ عہد نبوی ﷺ میں بھی تھا، جب دونوں میاں بیوی پہلی بار یکجا ہوں تو سب سے پہلے شوہر کو چاہئے کہ اپنی بیوی کی پیشانی پکڑ کر یہ دعا پڑھے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِهَا وَخَيْرِ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ. (مشکوٰۃ: ص ۲۱۵)

اے اللہ! میں تجھ سے اس کی بھلائی اور وہ بھلائی چاہتا ہوں جو تو نے اس کی فطرت میں رکھی ہے۔ اور میں تجھ سے پناہ چاہتا ہوں اس کے شر اور اس شر سے جو اس کی فطرت میں ہے۔

پھر ہم بستر ہوتے وقت یہ دعا پڑھے:

بِسْمِ اللَّهِ، اللَّهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا. (مشکوٰۃ: ص ۲۱۲)

اے اللہ! ہم کو شیطان سے محفوظ رکھ اور جو اولاد تو ہمیں دے اس سے شیطان کو دور رکھ۔

اس موقع پر جو دعائیں گئی اور جو ہدایتیں دی گئی ہیں ان کا مقصد انسان کو حیوانی پستی سے اوپر اٹھانا ہے تاکہ وہ انسانیت سے نیچے نہ گرنے پائے جہاں تک جنسی جذبے کا تعلق ہے انسان اور حیوان میں یہ یکساں موجود ہے لیکن اس جذبے کی تسکین کی راہیں جدا جدا ہیں، کوئی انسان حیوان کی طرح مکان و زمان اور شرم و حیا کی قیود سے آزاد ہو کر اپنے اس جذبے کی تسکین کرنا پسند نہیں کرتا۔ ابن ماجہ نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے نفس کو تسکین دینے کے لیے اپنی بیوی کے پاس جائے تو اسے جامہ و لباس سے عاری نہ ہو جانا چاہئے جیسے بکری اور بکرے ہوتے ہیں۔ “آپ ﷺ نے فرمایا فرشتے دو وقت آدمی سے جدا ہوتے ہیں۔ ① بیت الخلا میں جاتے وقت اور ② مباشرت کے وقت «فاستحيوهم واکرموهم»۔ پس تم ان سے شرمایا کرو اور ان کا لحاظ کیا کرو۔

مباشرت ایک راز ہے اس کا افشاء بدترین گناہ:

قرآن مجید نے نیک بیویوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿قَلِيلٌ مَّا حَفِظْتُ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ﴾ (النساء) ۳۴
تحت رازوں کی حفاظت کرنے والی
ہوتی ہیں۔“

جن پوشیدہ باتوں کی حفاظت کرنا ضروری ہے ان میں زوجین کے درمیان خصوصی تعلق رکھنے والی باتیں بھی شامل ہیں۔ ان راز دارانہ باتوں کا تذکرہ دوستوں اور سہیلیوں کی مجلسوں اور انجمنوں میں کرنا صحیح نہیں ہے حدیث شریف میں ہے:

﴿إِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْزِلَةً عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ؛ الرَّجُلُ يَفْضِي إِلَى الْمَرْأَةِ وَتَفْضِي إِلَيْهِ ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا﴾ (مشکوٰۃ: ص ۲۷۶)
”قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بدترین شخص وہ ہوگا جو عورت سے اپنی حاجت پوری کر لیتا ہے اور بعد میں اس کے راز افشاء کر دیتا ہے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی اور جب سلام پھیرا تو ہماری طرف رخ کر کے فرمایا ”بیٹھے رہو اور سنو“ کیا تم میں کوئی شخص ایسا بھی ہے جو اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے تو دروازہ بند کر لیتا ہے اور پردہ ڈال دیتا ہے پھر جب باہر نکلتا ہے تو لوگوں سے بیان کرتے پھرتا ہے کہ میں نے اپنی بیوی کے ساتھ ایسا اور ایسا کیا؟“ آپ ﷺ کے اس سوال کا جواب کسی نے نہیں دیا..... پھر آپ ﷺ نے عورتوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا ”کیا تم میں بھی ایسی عورتیں ہیں جو اس طرح کی باتیں کرتی ہوں؟“ ایک نوعمر لڑکی نے جو اپنے گھٹنوں کے بل نبی ﷺ کو دیکھنے اور آپ ﷺ کا کلام سننے کی کوشش کر رہی تھی کہا اللہ کی قسم..... مرد بھی ایسی باتیں کرتے ہیں اور عورتیں بھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”جانتے ہو جو شخص ایسی باتیں کرتا ہے اس کی مثال کیسی ہے؟ اس کی مثال شیطان یا شیطانہ جیسی ہے جو اپنی بیوی سے سر راہ ملتا ہے اور اپنی حاجت پوری کرتا ہے درآنحالیکہ لوگ یہ (تماشا) دیکھ رہے ہوتے ہیں۔“

«هَلْ تَدْرُونَ مَا مَثَلُ مَنْ فَعَلَ ذَلِكَ؟ إِنَّ مَثَلُ مَنْ فَعَلَ ذَلِكَ مَثَلُ شَيْطَانٍ وَشَيْطَانَةٍ لَقِيَ أَحَدَهُمَا صَاحِبَهُ بِالسَّكَّةِ فَقَضَى حَاجَتَهُ مِنْهَا وَالنَّاسُ يَنْظُرُونَ إِلَيْهِ». (ابوداؤد/۱/۲۹۵)

یہ مثال ایک مسلمان کے لیے اس لحاظ سے بہت کافی ہے کہ وہ اس قسم کی حماقتوں سے متفر ہو جائے کیونکہ یہ نہایت ذلیل حرکت ہے اور کوئی مسلمان شیطان یا شیطانہ بننا پسند نہیں کر سکتا۔

برہنگی کی ممانعت:

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں (ایک دن اپنی کسی ضرورت کے تحت) میں نے ایک بڑا بھاری پتھر اٹھایا اور اسے لے کر چلا تو (راستہ میں) میرا کپڑا (یعنی تہبند) میرے بدن سے گر پڑا (جس کی وجہ سے میرا ستر کھل گیا) مگر میں (بوجھ کی وجہ

عن المسور بن مخرمة قال: حَمَلْتُ حَجْرًا ثَقِيلًا فَبَيْنَا أَنَا أَمْشِي سَقَطَ عَنِّي ثَوْبِي فَلَمْ أَسْتَطِعْ أَخَذَهُ فَأَرَانِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ لِي: «خُذْ عَلَيْكَ ثَوْبَكَ وَلَا تَمْشُوا عُرَاةً». (مسکوة: ص.....)

سے فوری طور پر) اپنے کپڑے کو اٹھا نہیں سکا اور اسی دوران رسول کریم ﷺ نے مجھے (برہنگی کی حالت میں) دیکھ لیا، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”(فورا) اپنا کپڑا اٹھاؤ (اور ستر پوشی کرو) اور پھر آپ ﷺ نے یہ عام حکم دیا کہ ننگے نہ چلا کرو۔“

شرم و حیا کا انتہائی درجہ:

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے

عن عائشة قالت: مَا نَظَرْتُ أَوْ مَا رَأَيْتُ فَرَجَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ

قَطُّ (منقولہ: ص ۲۷۰) ستر کی طرف کبھی نظر نہیں اٹھائی۔ یا یہ فرمایا کہ (میں نے آپ ﷺ کا ستر) کبھی نہیں دیکھا۔“

حرف ”اَوْ“ دراصل راوی کے اس شک کو ظاہر کرتا ہے کہ روایت میں یا «مَا نَظَرْتُ» ”میں نے کبھی نظر نہیں اٹھائی۔“ کے الفاظ ہیں یا «مَا رَأَيْتُ» ”میں نے کبھی نہیں دیکھا۔“ کے الفاظ نقل ہوئے ہیں، بہر حال ان دونوں کے معنی ایک ہی ہیں ان کے مفہوم و مطلب میں کوئی فرق نہیں ہے۔

ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہ الفاظ ہیں کہ نہ تو آپ ﷺ نے میرا ستر کبھی دیکھا اور نہ کبھی میں نے آپ ﷺ کا ستر دیکھا۔ ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ اگرچہ شوہر اور بیوی ایک دوسرے کا ستر دیکھ سکتے ہیں لیکن آداب زندگی اور شرم و حیا کا انتہائی درجہ یہی ہے کہ شوہر اور بیوی بھی آپس میں ایک دوسرے کا ستر نہ دیکھیں۔

زوجین کے باہمی تعلقات

قرآن کریم نے نکاح کے مقاصد نہایت مہتم بالشان طریقہ پر بیان کئے ہیں۔ یہ وہ ستون ہیں جن پر ازدواجی زندگی کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ جنسی اضطراب کی جگہ زوجین کے درمیان پیار و محبت اور سکونِ نفس، بیوی اور شوہر کے خاندانوں کے درمیان مودت و الفت کے تعلقات، انسانی ہمدردی اور مشفقانہ جذبات کا مکمل ظہور اور والدین کی حیثیت میں اولاد کے ساتھ جذباتی وابستگی وغیرہ وہ مقاصد ہیں جو رشتہ نکاح کے ذریعہ مطلوب ہیں۔ ان مقاصد کی طرف سورہ روم کی درج ذیل آیت اشارہ کر رہی ہے:

”وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا“ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی

وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۱﴾

جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم
ان کے پاس سکون حاصل کرو اور
تمہارے درمیان مودت و رحمت پیدا

کی۔ یقیناً اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔“

مذکورہ مقاصد کے علاوہ قرآن مجید نے حسی پہلو اور زوجین کے درمیان
جسمانی تعلق کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے۔ بلکہ اس معاملہ میں بھی بالکل سیدھی راہ
کی طرف رہنمائی کی ہے جس پر چل کر انسان گندے اور غلط طریقوں سے بچتے
ہوئے اپنی فطری خواہش کو پورا کر سکتا ہے۔

روایتوں میں آیا ہے کہ یہودی اور مجوسی عورتوں سے حالت حیض میں
کنارہ کشی اختیار کرنے کے معاملہ میں بڑا غلو کرتے تھے اور نصاریٰ حیض کی
پرواہ کئے بغیر عورتوں سے مجامعت کرتے تھے۔ رہے اہل جاہلیت تو وہ حائضہ
کے ساتھ نہ کھاتے پیتے تھے اور نہ اٹھتے بیٹھتے تھے بلکہ اس کو گھر سے باہر نکال
دیتے تھے۔ ان کا سلوک بالکل یہودیوں اور مجوسیوں جیسا تھا۔

اس صورتِ حال کے پیش نظر بعض مسلمانوں نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ
حائضہ کے ساتھ کیا رویہ اختیار کیا جائے؟ اس معاملہ میں حلال کیا ہے اور حرام
کیا؟ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ آذَى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهَرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ﴾ (البقرة)

”وہ تم سے حیض کے بارے میں
پوچھتے ہیں کہو: وہ گندگی ہے۔ اس
میں عورتوں سے الگ رہو اور ان
سے قربت نہ کرو جب تک کہ وہ
پاک نہ ہو جائیں پھر جب وہ پاک
ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ اس
طرح جس طرح کہ اللہ نے تم کو حکم

دیا ہے۔ اللہ توبہ کرنے والوں اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“
حالتِ حیض میں عورتوں سے علیحدہ رہنے کا مطلب بعض بدوں نے یہ سمجھا کہ ان کے ساتھ رہنا سہنا جائز نہیں ہے لیکن نبی ﷺ نے آیت کا مفہوم واضح کرتے ہوئے فرمایا:

”میں نے تمہیں عورتوں سے حالتِ حیض میں مجامعت سے باز رہنے کا حکم دیا تھا، عجمیوں کی طرح انہیں گھر سے نکالنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ جب یہودیوں نے یہ بات سنی تو کہا، اس شخص نے ہر معاملہ میں ہماری مخالفت کرنے کی ٹھان لی ہے۔“

(تفسیر رازی: ج ۶، ص ۶۶)

مسلمان اپنی بیوی سے حالتِ حیض میں متمتع ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہ حیض کی جگہ سے دور رہے۔ اس طرح اسلام نے جیسا کہ اس کا مستقل اصول ہے دو انتہاؤں کے درمیان اعتدال کا موقف اختیار کیا، یعنی حائضہ سے اس قدر دوری بھی نہیں کہ اس کو گھر سے نکال دیا جائے اور اس حد تک اختلاط بھی نہیں کہ مجامعت کو جائز سمجھ لیا جائے۔

جدید علمِ طب نے اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ حیض کے خارج شدہ خون میں ایک قسم کا مسموم مادہ ہوتا ہے جو اگر جسم کے اندر رہ جائے تو مضر ہوتا ہے۔ اسی طرح حالتِ حیض میں جماع سے اجتناب کرنے کے راز پر سے بھی پردہ اٹھا دیا ہے۔ چنانچہ عورت کے صنفی اعضاء دورانِ حیض خون کے مجتمع ہونے کی وجہ سے سکڑے ہوئے ہوتے ہیں اور اعصاب داخلی غدود کے سیلان کے باعث حالتِ اضطراب میں ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں جنسی اختلاط اس کے لیے مضر ہوتا ہے۔ اور کبھی حیض کی رکاوٹ کا سبب بن جاتا ہے جس سے اسے عصبی تکلیف ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ بعض اوقات صنفی اعضاء میں سوزش بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ (ملاحظہ ہو الاسلام والطب الحديث از ذاکر عبدالعزیز اسلمیل مرحوم)

دبر سے اجتناب:

عورتوں سے جسمانی تعلق کے سلسلہ میں سورہ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿نِسَاءُكُمْ حَرَّتُمْ لَكُمْ فَاتُوا حَرَّتْكُمْ أَنْتُمْ وَتَقَدَّمُوا لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُلْقَوْنَ وَبَشِيرِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (البقرہ)

”عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں تو اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو آؤ اور اپنے مستقبل کا سامان کرو اور اللہ سے ڈرو اور یہ جان لو کہ تمہیں اس سے لازماً ملنا ہے۔ اور ایمان والوں کو خوشخبری سنا دو۔“

مذکورہ آیت کے سبب نودول اور اس کی حکمت پر علامہ ہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اس طرح روشنی ڈالی ہے:

”یہودیوں نے طریقہ مباشرت کے سلسلہ میں کسی آسمانی حکم کے بغیر خواہ مخواہ تنگی پیدا کر لی تھی۔ اور انصار وغیرہ جو ان سے قریب رہتے تھے ان ہی کے طریقہ کو اختیار کئے ہوئے تھے۔ یہ لوگ اس بات کے قائل تھے کہ جب آدمی پشت کی جانب سے مجامعت کرتا ہے تو اولاد بھیجی پیدا ہوتی ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿فَاتُوا حَرَّتْكُمْ أَنْتُمْ وَتَقَدَّمُوا لَكُمْ﴾ یعنی مجامعت اگلے حصہ ہی میں کی جائے خواہ اس کا طریقہ آگے کی جانب سے آنے کا ہو یا پیچھے کی جانب سے آنے کا۔ طریقہ مباشرت کا کوئی تعلق تمدنی یا ملی مصلحت سے نہیں ہے۔ رہی ذاتی مصلحت تو انسان اپنی مصلحت کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اس معاملہ میں یہودیوں کی تنگ نظری ان کی موٹگانیوں کا نتیجہ تھی اس لیے اس کو رد ہی کیا جانا چاہئے تھا۔“ (ج۲ اللہ الباقی: ج ۲ ص ۱۳۶)

دین نے اس کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کہ وہ مباشرت کے طریقوں اور

اس کی کیفیتوں کی تحدید کرے۔ اس کی نظر میں اصل اہمیت اس بات کی ہے کہ آدمی اللہ سے ڈرے اور یہ جان لے کہ اسے اللہ سے بہر حال ملتا ہے اور اس تصور کے پیش نظر وہ دُبر سے اجتناب کرے کیونکہ وہ گندی جگہ ہے اور یہ فعل خبیث لواطت کے مشابہ ہے۔ اس لیے ضروری تھا کہ شریعت اسے ممنوع قرار دیتی چنانچہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَا تَأْتُوا النِّسَاءَ فِي أَدْبَارِهِنَّ»۔ ”عورتوں کی دبر میں صحبت نہ کرو۔“ (مشکوٰۃ: ص ۲۷۶)

اور جو شخص عورت کی دبر میں صحبت کرتا ہے اس کو آپ ﷺ نے: «هُوَ اللُّوَطِيَّةُ الصُّغْرَى»۔ (احمد، الترمذی) ”یہ بھی ایک قسم کی لواطت ہے۔“ سے تعبیر فرمایا ہے۔

انصار کی ایک عورت نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ پشت کی جانب سے اگلے حصہ میں مجامعت کرنے کا کیا حکم ہے؟ تو آپ ﷺ نے آیت ﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ﴾ تلاوت فرمائی۔ (احمد)

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلَكْتُ، قَالَ: «وَمَا أَهْلَكَ؟» قَالَ: حَوَّلْتُ رَحْلِي الْبَارِحَةَ، فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ شَيْئًا حَتَّى نَزَلَتِ الْآيَةُ السَّابِقَةُ، فَقَالَ لَهُ: «أَقْبِلْ وَأَدْبِرْ وَاتَّقِ الْحَيْضَةَ وَالذُّبْرَ»۔ (احمد، الترمذی)

یا رسول اللہ! میں ہلاک ہو گیا۔ فرمایا: کیا بات ہے۔ کہا: گزشتہ شب میں نے اپنی سواری کا رخ بدل دیا۔ یعنی پشت کی طرف سے مجامعت کر لی۔ آپ ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ

مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ”آگے سے آؤ یا پیچھے سے مگر حیض اور دبر میں مجامعت کرنے سے اجتناب کرو۔“

(اسلام میں حلال و حرام: ص ۲۵۷)

اپنی بیوی کے ساتھ بد فعلی کرنے والا ملعون ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «مَلْعُونٌ مَنْ أَتَى امْرَأَتَهُ فِي دُبْرِهَا». (مشکوٰۃ: ص ۲۷۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”وہ شخص ملعون ہے جو اپنی عورت کے ساتھ بد فعلی کرے۔“

وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّ الَّذِي يَأْتِي امْرَأَتَهُ فِي دُبْرِهَا لَا يَنْظُرُ اللَّهُ إِلَيْهِ». (مشکوٰۃ: ص ۲۷۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اپنی عورت کے ساتھ بد فعلی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی طرف (رحمت و شفقت کی نظر سے) نہیں دیکھتا۔“

عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: «لا ينظر الله إلى رجل أتى رجلاً أو امرأة في الدبر». (مشکوٰۃ: ص ۲۷۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف (رحمت و شفقت کی نظر سے) نہیں دیکھتا جو مرد یا عورت کے ساتھ بد فعلی کرتا ہے۔“

قرآن میں تعددِ ازواج

ایک مرد کے لیے متعدد بیویاں رکھنا اسلام سے پہلے بھی تقریباً دنیا کے تمام مذاہب میں جائز سمجھا جاتا تھا، عرب، ہندوستان، ایران، مصر، بابل وغیرہ ممالک کی ہر قوم میں کثرتِ ازواج کی رسم جاری تھی، اور اس کی فطری ضرورتوں سے آج بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا، دورِ حاضر میں یورپ نے اپنے متقدمین کے خلاف تعددِ ازواج کو ناجائز کرنے کی کوشش کی، تو اس کا نتیجہ بے نکاحی و دشتاؤں کی صورت میں برآمد ہوا، بالآخر فطری قانون غالب آیا، اور اب وہاں کے اہل

بصیرت حکماء خود اس کو رواج دینے کے حق میں ہیں، مسٹر ڈیون پورٹ جو ایک مشہور عیسائی فاضل ہے، تعدد ازواج کی حمایت میں انجیل کی بہت سی آیتیں نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے:

”ان آیتوں سے یہ پایا جاتا ہے کہ تعدد ازواج صرف پسندیدہ ہی نہیں، بلکہ خدا نے اس میں خاص برکت دی ہے۔“

اسی طرح پادری ٹکسن اور جان ملٹن اور اپزک ٹیلر نے پرزور الفاظ میں اس کی تائید کی ہے، اسی طرح ویدک تعلیم غیر محدود تعدد ازواج کو جائز رکھتی ہے اور اس سے دس دس تیرہ تیرہ ستائیس ستائیس بیویوں کو ایک وقت میں جمع رکھنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔

کرشن جو ہندوؤں میں واجب التعظیم اوتار مانے جاتے ہیں۔ ان کی سینکڑوں بیویاں تھیں، جو مذہب اور قانون عفت و عصمت کو قائم رکھنا چاہتا ہو، اور زنا کاری کا انسداد ضروری جانتا ہو اس کے لیے کوئی چارہ نہیں کہ تعدد ازواج کی اجازت دے، اس میں زنا کاری کا بھی انسداد ہے اور مردوں کی بہ نسبت عورتوں کی جو کثرت بہت سے علاقوں میں پائی جاتی ہے اس کا بھی علاج ہے، اگر اس کی اجازت نہ دی جائے تو دواشتہ اور پیشہ ور کسی عورتوں کی افراط ہوگی، یہی وجہ ہے کہ جن قوموں میں تعدد ازواج کی اجازت نہیں ان میں زنا کی کثرت ہے، یورپین اقوام کو دیکھ لیجئے ان کے یہاں تعدد ازواج پر تو پابندی ہے، مگر بطور دوستانہ جتنی بھی عورتوں سے مرد زنا کرتا ہے اس کی پوری اجازت ہے، کیا تماشہ ہے کہ نکاح ممنوع اور زنا جائز۔

غرض اسلام سے پہلے کثرت ازواج کی رسم بغیر کسی تحدید کے رائج تھی، اکثر ممالک اور مذاہب کی تاریخ سے جہاں تک معلوم ہوتا ہے کسی مذہب اور کسی قانون نے اس پر کوئی حد نہ لگائی تھی، نہ یہود و نصاریٰ نے، نہ ہندوؤں اور آریوں نے اور نہ پارسیوں نے۔

اسلام کے ابتدائی زمانے میں بھی یہ رسم بغیر تحدید کے جاری رہی، لیکن اس غیر محدود کثرت ازواج کا نتیجہ یہ تھا کہ لوگ اول اول تو حرص میں بہت سے نکاح کر لیتے تھے، مگر پھر ان کے حقوق ادا نہ کر سکتے تھے اور یہ عورتیں ان کے نکاح میں ایک قیدی کی حیثیت سے زندگی گزارتی تھیں۔

پھر جو عورتیں ایک شخص کے نکاح میں ہوتیں ان میں عدل و مساوات کا کہیں نام و نشان نہ تھا، جس سے دبستگی ہوئی اس کو نواز اگیا، جس سے رخ پھر گیا اس کے کسی حق کی پرواہ نہیں۔

تعدد ازواج پر پابندی:

قرآن مجید نے عام معاشرہ کے اس ظلم عظیم کو روکا، تعدد ازواج پر پابندی لگائی اور چار سے زیادہ عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام قرار دیا، اور جو عورتیں ایک ہی وقت میں نکاح کے اندر ہیں ان میں مساوات و حقوق کا نہایت مؤکد حکم اور اس کی خلاف ورزی پر وعید شدید سنائی، قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

﴿فَأَنْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنً وَثُلَّةً وَرُبْعً﴾
یعنی ”جو حلال عورتیں تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کر سکتے ہو دو دو تین

تین چار چار۔“

اس آیت میں ایک طرف تو اس کی اجازت دی گئی کہ ایک سے زائد دو تین چار عورتیں نکاح میں جمع کر سکتے ہیں، دوسری طرف چار کے عدد تک پہنچا کر یہ پابندی بھی عائد کر دی کہ چار سے زائد عورتیں بیک وقت نکاح میں جمع نہیں کی جاسکتی۔

رسول کریم ﷺ کے بیان نے اس قرآنی تخصیص اور پابندی کو اور زیادہ واضح کر دیا، اس آیت کے نژدہ کے بعد ایک شخص غیلان بن اسلمہ ثقفی مسلمان ہوئے، اس وقت ان کے نکاح میں دس عورتیں تھیں، اور وہ بھی مسلمان ہو گئی تھیں، رسول کریم ﷺ نے حکم قرآن کے مطابق ان کو حکم دیا کہ ان دس میں سے چار کو

منتخب کر لیں، باقی کو طلاق دے کر آزاد کر دیں، غیلان بن اسلمہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے حکم کے مطابق چار عورتیں رکھ کر باقی سے علیحدگی اختیار کر لی۔ (مشکوٰۃ شریف: ص ۲۷۴)

مسند احمد میں اسی روایت کے تکرار میں ایک اور واقعہ بھی مذکور ہے، اس کا ذکر کرنا بھی فائدہ سے خالی نہیں، کیونکہ اس کا تعلق بھی نسوانی حقوق سے ہے، وہ یہ کہ:

”غیلان بن اسلمہ رضی اللہ عنہ نے حکم شرعی کے مطابق چار عورتیں رکھ لی تھیں، مگر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں انہوں نے ان کو بھی طلاق دیدی اور اپنا کل مال و سامان اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دیا، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ملی، تو ان کو حاضر کر کے فرمایا کہ تم نے ان عورتوں کو اپنی میراث سے محروم کرنے کے لیے یہ حرکت کی ہے جو سراسر ظلم ہے، اس لیے فوراً ان کی طلاق سے رجعت کرو اور اپنا مال بیٹوں سے واپس لو، اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو یاد رکھو کہ تمہیں سخت سزا دی جائے گی۔“

قیس بن الحارث اسدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جب مسلمان ہوا تو میرے نکاح میں آٹھ عورتیں تھیں، میں نے رسول کریم ﷺ سے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان میں سے چار رکھ لو باقی کو طلاق دیدو۔ (ابوداؤد: ص ۳۰۴)

اور مسند امام شافعیؒ میں نوفل بن معاویہ ذیلی رضی اللہ عنہ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ جب مسلمان ہوئے تو ان کے نکاح میں پانچ عورتیں تھیں، آپ ﷺ نے ان کو بھی ایک عورت کو طلاق کا حکم دیا، یہ واقعہ مشکوٰۃ شریف (ص ۲۷۴) میں بھی شرح السنۃ سے نقل کیا ہے، رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس تعامل سے آیت قرآنی کی مراد بالکل واضح ہو گئی، کہ چار سے زائد عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ (معارف القرآن: ج ۲، ص ۲۸۶)

تعداد ازواج کے جواز کی مصلحت:

اسلام اللہ کا آخری دین ہے جس پر سلسلہ رسالت ختم ہو جاتا ہے۔ اس لیے اسلامی شریعت بھی دوامی اور ہمہ گیر ہے جو تمام زمانوں اور تمام انسانوں کے لیے ہے۔ اس میں افراد اور گروہوں کی مجبوریوں اور ضرورتوں، نیز ان کی مصلحتوں کا پورا پورا لحاظ کیا گیا ہے۔

۱- بعض مردوں کو اولاد سے زبردست رغبت ہوتی ہے لیکن وہ عورت کے بانجھ یا بیمار ہونے کی وجہ سے اولاد سے محروم رہتے ہیں۔ کیا ایسی صورت میں اس عورت کے لیے باعزت اور اس شخص کے لیے بہتر طریقہ یہ نہیں ہے کہ وہ پہلی بیوی کو اپنے پاس رکھتے ہوئے اور اس کے حقوق ادا کرتے ہوئے دوسری بیوی کر لے تاکہ اس کی اولاد کی خواہش پوری ہو؟

۲- بعض مردوں کی قوت باہ شدید ہوتی ہے اور ان پر شہوت کا غلبہ ہوتا ہے لیکن بیوی کو مرد سے رغبت نہیں ہوتی، یا وہ بیمار ہوتی ہے یا اس کے حیض کی مدت طویل ہوتی ہے اور مرد عورت کے معاملہ میں زیادہ صبر نہیں کر سکتا تو کیا ایسی صورت میں کسی گرل فرینڈ (Girl Friend) کو تلاش کرنے کے بجائے دوسری بیوی کر لینا بہتر نہ ہوگا؟

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلہ میں بڑھ جاتی ہے۔ خاص طور سے جنگ کے ایام میں تو کتنے ہی ممتاز افراد اور نو جوانوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ایسے موقع پر سماج کی مصلحت اور خود عورتوں کی مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے کہ وہ عمر بھر زوجیت کی زندگی سے محروم اور کنواری بڑھیا بنیں ہو کر رہ جانے کے مقابلہ میں سوکن کی حیثیت سے رہنے کو ترجیح دیں کہ یہ سکون، مودت اور پاکدامنی کی زندگی ہے اور اس طرح اسے ماں بن جانے کا شرف بھی حاصل ہو سکتا ہے اور درحقیقت ایسی ہی زندگی ان کی فطرت کی آواز ہے۔

نکاح کی استطاعت رکھنے والے مردوں کی تعداد کے مقابلہ میں عورتوں

کی تعداد جب بڑھ جائے تو وہ تین میں سے کوئی ایک صورت اختیار کر سکتی ہیں:

- ۱- یا تو وہ پوری عمر محرومی کی تلخیوں میں گزار دیں۔
 - ۲- یا ان کو آزاد چھوڑ دیا جائے کہ وہ مردوں کے لیے کھیل تماشا بن جائیں۔
 - ۳- یا یہ کہ ان کا نکاح ایسے شادی شدہ مردوں کے ساتھ جائز قرار دیا جائے جو فقہ ادا کرنے پر قادر ہوں اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کر سکتے ہوں۔
- بے شک یہی آخری طریقہ ایک عادلانہ حل اور نسخہ شفاء ہے اور اسلام نے اسی کا حکم دیا ہے:

”وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا“ ”جو لوگ اللہ پر یقین کرنے والے
لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿۵۰﴾ (المائدہ)
ہیں ان کے نزدیک اللہ سے بہتر
فیصلہ کس کا ہو سکتا ہے۔“

یہ ہے تعدد ازواج کی حقیقت جس کے سلسلہ میں مسیحی مغرب مسلمانوں پر اعتراض کرتا ہے جبکہ ان لوگوں کا اپنا حال یہ ہے کہ انہوں نے مردوں کے لیے تعدد معشوقات اور تعدد محبوبات کو بلا تحدید اور کسی قسم کی قانونی یا اخلاقی پابندی کو تسلیم کئے بغیر جائز کر لیا ہے۔ اس لادینی اور لا اخلاقی کا شرع انہیں جس (حرام) اولاد کی شکل میں مل رہا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ ان حقائق کے پیش نظر غور فرمائیے کہ کس گروہ کی بات وزنی ہے اور کون راہ راست پر گامزن ہے؟

(اسلام میں حلال و حرام: ص ۲۵۵)

رحمۃ للعالمین ﷺ کے لیے تعدد ازواج:

رسول اللہ ﷺ کی ذات والا صفات سرِ پا رحمت و برکت ہے، تبلیغ احکام اور تزکیہ نفوس اور ابلاغ قرآن آپ ﷺ کا سب سے بڑا مقصد بعثت تھا، آپ ﷺ نے اسلام کی تعلیمات کو قولاً و عملاً دنیا میں پھیلا دیا، یعنی آپ ﷺ بتاتے بھی تھے اور کرتے بھی تھے، پھر چونکہ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس میں نبی ﷺ کی رہبری کی ضرورت نہ ہو، نماز باجماعت سے لے کر بیویوں کے

تعلقات آل و اولاد کی پرورش اور پاخانہ پیشاب اور طہارت تک کے بارے میں آپ ﷺ کی قوی اور فعلی ہدایات سے کتب حدیث بھر پور ہیں اندرون خانہ کیا کیا کام کیا بیویوں سے کیسے میل جول رکھا اور گھر میں آ کر مسائل پوچھنے والی خواتین کو کیا کیا جواب دیا اس طرح کے سینکڑوں مسائل ہیں جن سے ازواج مطہرات کے ذریعہ ہی امت کو رہنمائی ملی ہے، تعلیم و تبلیغ کی دینی ضرورت کے پیش نظر آپ ﷺ کے لیے کثرت ازواج ایک ضروری امر تھا۔ صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے احکام و مسائل اخلاق و آداب اور سیرت نبوی ﷺ سے متعلق دو ہزار دو سو دس روایات مروی ہیں جو کتب حدیث میں پائی جاتی ہیں، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی مرویات کی تعداد تین سو اٹھتر تک پہنچی ہوئی ہے، حافظ ابن قیم نے اعلام الموقعین (ج ۱ ص ۹) میں لکھا ہے کہ اگر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے فتاویٰ جمع کئے جائیں جو انہوں نے آپ ﷺ کی وفات کے بعد دیئے ہیں تو ایک رسالہ مرتب ہو سکتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا روایت و درایت اور فقہ و فتاویٰ میں جو مرتبہ ہے وہ محتاج بیان نہیں، ان کے شاگردوں کی تعداد دو سو کے لگ بھگ ہے، آپ ﷺ کی وفات کے بعد مسلسل اڑتالیس سال تک علم دین پھیلایا۔

بطور مثال دو مقدس بیویوں کا مجمل حال لکھ دیا ہے دیگر ازواج مطہرات کی روایات بھی مجموعی حیثیت سے کافی تعداد میں موجود ہیں، ظاہر ہے کہ اس تعلیم و تبلیغ کا نفع صرف ازواج مطہرات سے پہنچا۔

حضرات انبیاء! اسلام کے مقاصد بلند اور پورے عالم کی انفرادی و اجتماعی خانگی اور ملکی اصلاحات کی فکروں کو دنیا کے شہوت پرست انسان کیا جانیں وہ تو سب کو اپنے اوپر قیاس کر سکتے ہیں، اسی کے نتیجے میں کئی صدی سے یورپ کے ملحدین اور مستشرقین نے اپنی ہٹ دھرمی سے فخر عالم ﷺ کے تعدد ازواج کو ایک خالص جنسی اور نفسانی خواہش کی پیداوار قرار دیا ہے اگر آپ

احکام نکاح

ﷺ کی سیرت پر ایک سرسری نظر بھی ڈالی جائے تو ایک ہوشمند منصف مزاج کبھی بھی آپ ﷺ کی کثرت ازدواج کو اس پر محمول نہیں کر سکتا۔

آپ ﷺ کی معصوم زندگی قریش مکہ کے سامنے اس طرح گزری کہ پچیس سال کی عمر میں ایک سن رسیدہ صاحب اولاد بیوہ (جس کے دو شوہر فوت ہو چکے تھے) سے عقد کر کے عمر کے پچیس سال تک انہی کے ساتھ گزارہ کیا، وہ بھی اس طرح کہ مہینہ مہینہ گھر چھوڑ کر غار حراء میں مشغول عبادت رہتے تھے دوسرے نکاح جتنے ہوئے پچاس سالہ عمر شریف کے بعد ہوئے، یہ پچاس سالہ زندگی اور عُنفُو ان شباب کا سارا وقت اہل مکہ کی نظروں کے سامنے تھا، کبھی کسی دشمن کو بھی آپ ﷺ کی طرف کوئی ایسی چیز منسوب کرنے کا موقع نہیں ملا جو تقویٰ و طہارت کو مشکوک کر سکے، آپ ﷺ کے دشمنوں نے آپ ﷺ پر ساحر، شاعر، مجنون، کذاب، مفتری جیسے الزامات میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، لیکن آپ ﷺ کی معصوم زندگی پر کوئی ایسا حرف کہنے کی جرأت نہیں ہوئی جس کا تعلق جنسی اور نفسانی جذبات کی بے راہ روی سے ہو۔

ان حالات میں کیا یہ بات غور طلب نہیں ہے کہ جوانی کے پچاس سال اس زہد و تقویٰ اور لذائذ دنیا سے یک سوئی میں گزارنے کے بعد وہ کیا داعیہ تھا جس نے آخر عمر میں آپ ﷺ کو متعدد نکاحوں پر مجبور کیا، اگر دل میں ذرا سا بھی انصاف ہو تو ان متعدد نکاحوں کی وجہ اس کے سوا نہیں بتلائی جاسکتی جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، اور اس کثرت ازدواج کی حقیقت کو بھی سن لیجئے، کہ کس طرح دجور میں آئی۔

پچیس سال کی عمر سے لے کر پچاس سال کی عمر شریف ہونے تک تنہا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی زوجہ رہیں، ان کی وفات کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا، مگر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا تو آپ ﷺ کے گھر تشریف لے آئیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صغر سنی کی وجہ سے اپنے والد

کے گھر ہی رہیں پھر چند سال کے بعد ۲ھ میں مدینہ منورہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی عمل میں آئی اس وقت آپ ﷺ کی عمر چون سال ہو چکی تھی۔ اور دو بیویاں اس عمر میں آ کر جمع ہوئی ہیں یہاں سے تعدد ازواج کا معاملہ شروع ہوا اس کے ایک سال بعد حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا پھر کچھ ماہ بعد حضرت زینب بنت خویمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا اور صرف اٹھارہ ماہ آپ ﷺ کے نکاح میں رہ کر وفات پائی ایک قول کے مطابق تین ماہ آپ ﷺ کے نکاح میں زندہ رہیں پھر ۴ھ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا پھر ۵ھ میں حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا اس وقت آپ ﷺ کی عمر شریف اٹھاون سال ہو چکی تھی اور اتنی بڑی عمر میں آ کر چار بیویاں جمع ہوئیں حالانکہ امت کو جس وقت چار بیویوں کی اجازت ملی تھی اس وقت ہی آپ ﷺ کم از کم چار نکاح کر سکتے تھے۔ لیکن آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا ان کے بعد ۶ھ میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے اور ۷ھ میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے اور پھر ۷ھ میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے پھر اسی سال حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا۔

خلاصہ: یہ کہ چون سال کی عمر تک آپ ﷺ نے صرف ایک بیوی کے ساتھ گزارہ کیا یعنی پچیس سال حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اور چار پانچ سال حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ گزارے پھر اٹھاون سال کی عمر میں چار بیویاں جمع ہوئیں اور باقی ازواج مطہرات دو تین سال کے اندر حرم نبوت میں آئیں۔

اور یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ ان سب بیویوں میں صرف ایک ہی عورت ایسی تھیں جن سے کنوارے پن میں نکاح ہوا یعنی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ان کے علاوہ باقی سب ازواج مطہرات بیوہ تھیں جن میں بعض کے دو دو شوہر پہلے گزر چکے تھے اور یہ تعداد بھی آخر عمر میں آ کر جمع ہوئی ہے۔

حضرات صحابہ مرد اور عورت سب آپ ﷺ پر جاں نثار تھے اگر آپ

ﷺ چاہتے تو سب بیویاں کنواری جمع کر لیتے، بلکہ ہر ایک ایک دودھ مہینہ کے بعد بدلنے کا بھی موقع تھا، لیکن آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا۔

نیز یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ اللہ تعالیٰ کے برحق نبی تھے، نبی صاحبِ ہوا و ہوس نہیں ہوتا، جو کچھ کرتا ہے اذنِ الہی سے کرتا ہے، نبی ماننے کے بعد ہر اعتراض ختم ہو جاتا ہے، اور اگر کوئی شخص آپ ﷺ کو نبی ہی نہ مانے اور یہ الزام لگائے کہ آپ ﷺ نے محض شہوت پرستی کی وجہ سے اپنے لیے کثرتِ ازواج کو جائز رکھا تھا تو اس شخص سے کہا جائے گا کہ اگر ایسا ہوتا تو آپ ﷺ اپنے حق میں کثرتِ ازواج کے معاملہ میں اس پابندی کا اعلان کیوں فرماتے جس کا ذکر قرآن کریم کی آیت ﴿لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ﴾ میں موجود ہے، اپنے حق میں اس پابندی کا اعلان اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے جو کچھ کیا اپنے رب کے اذن سے کیا۔

تعددِ ازواج کی وجہ سے تعلیمی اور تبلیغی فوائد جو امت کو حاصل ہوئے اور جو احکام امت تک پہنچے اس کی جزئیات اس قدر کثیر تعداد میں ہیں کہ ان کا احصاء دشوار ہے، کتب احادیث اس پر شاہد ہیں۔

﴿تعددِ ازواج کے جواز کے لیے عدل شرط﴾

تعددِ ازواج کے لیے اسلام نے جو شرط عائد کی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان کو اپنے نفس پر یہ اعتماد ہو کہ وہ اپنی بیویوں کے درمیان کھانے پینے رہتے سونے اور خرچ کرنے کے معاملہ میں عدل کرے گا لیکن جس شخص کو اپنے نفس پر یہ اعتماد نہ ہو کہ وہ ان حقوق کو عدل اور مساوات کے ساتھ ادا کر سکے گا اس کے لیے ایک سے زائد بیوی کرنا حرام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا﴾ ”لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک پر اکتفاء کر لو۔“ (النساء) ﴿۵﴾

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

”جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ
صرف ایک کی طرف مائل ہو کر رہ
جائے وہ قیامت کے دن اس حال
میں آئے گا کہ اس کا ایک بازو گر رہا
ہوگا اور وہ اسے تھپیٹ رہا ہوگا۔“
(اہل السنن وابن حبان والحاکم)

جس میلان اور جھکاؤ سے اس حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے اس کا مطلب
حقوق کے معاملہ میں زیادتی کرنا ہے۔ مجرد قلبی میلان مراد نہیں ہے کیونکہ یہ
ناقابل استطاعت عدل میں داخل ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے صرف نظر فرمایا ہے:
”وَلَكِنْ تَسْتَطِيعُونَ أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ
النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا
كُلَّ الْمِيلِ (۱۲۹) (النساء)
”اور بیویوں کے درمیان تم اگر چاہو
بھی تو پورا پورا عدل نہیں کر سکتے، لہذا
کسی ایک کی طرف جھک نہ پڑو۔“

اسی لیے رسول اللہ ﷺ شب بآش وغیرہ میں عدل کرنے کے باوجود فرماتے:
”اللَّهُمَّ هَذَا قِسْمِي فِيمَا أَمْلِكُ“
”خدا یا یہ میری تقسیم ہے جہاں تک
میرے بس میں ہے تو جو تیرے بس
میں ہے اور میرے بس میں نہیں ہے
اس پر گرفت نہ فرما۔“
(اصحاب السنن)

یعنی کسی ایک بیوی کی طرف جو جذباتی اور قلبی میلان ہو جاتا ہے وہ
انسان کے بس میں نہیں ہے۔ آپ ﷺ کی یہ دعا اسی سلسلہ میں تھی۔
جب آپ ﷺ سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ
ڈالتے جس کے حق میں قرعہ نکل آتا اس کو ہم سفر بنا لیتے۔ یہ طریقہ آپ ﷺ
نے دلوں کی خلش کو دور کرنے اور سب کو خوش رکھنے کے لیے اختیار فرمایا تھا۔

(اسلام میں حلال و حرام: ص ۲۵۴)

جن عورتوں سے نکاح حرام ہے

جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے وہ یہ ہیں:

۱- باپ کی بیوی (یعنی سوتیلی ماں) خواہ باپ نے اسے طلاق دی ہو یا بیوہ ہو گئی ہو۔

زمانہ جاہلیت میں یہ نکاح جائز تھا لیکن اسلام نے اس کو باطل قرار دیا کیونکہ باپ کی منکوحہ ماں کے درجہ میں ہوتی ہے۔ اس لیے مناسب یہی تھا کہ باپ کے احترام کے پیش نظر اسے حرام کر دیا جائے۔ یہ حرمت ابدی ہے جس کے بعد نہ بیٹے کے دل میں خواہش پیدا ہو سکتی ہے نہ سوتیلی ماں کے دل میں۔ اس طرح دونوں کے درمیان احترام اور عظمت کے تعلقات استوار ہو سکتے ہیں۔

۲- ماں اسی طرح دادی اور نانی اور جو اس سے اوپر کے درجہ میں ہوں۔

۳- لڑکی اسی طرح پوتی اور نواسی اور جو اس سے نیچے کے درجہ میں ہوں۔

۴- بہن خواہ سگی ہو یا علاتی یا اختیانی۔

۵- پھوپھی یعنی باپ کی سگی علاتی یا اختیانی بہن۔

۶- خالہ یعنی ماں کی سگی علاتی یا اختیانی بہن۔

۷- بھتیجیاں

۸- بھانجیاں

یہ رشتہ دار خواتین اسلام میں ”محارم“ کہلاتی ہیں؛ کیونکہ یہ مسلمان کے لیے ابدی طور پر حرام ہیں۔ کسی وقت اور کسی حال میں ان سے نکاح جائز نہیں ہو سکتا۔ مرد کو بھی ان کی نسبت سے ”محرم“ کہا جاتا ہے۔

❦ رضاعت کی بنا پر حرام رشتے:

۹۔ رضاعی ماں جس عورت نے بچپن میں دودھ پلایا ہو اس سے نکاح کرنا مسلمان کے لیے حرام ہے۔ دودھ پلانے کی وجہ سے عورت ماں کے حکم میں ہوگی۔ دودھ نے اس کے گوشت اور ہڈیوں کے بننے میں حصہ لیا ہے اور رضاعت نے دونوں کے درمیان ماں بیٹے کا جذباتی تعلق پیدا کر دیا ہے۔ رضاعت کے مؤثر ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ بچپن میں یعنی بچہ کی عمر دو سال ہونے سے قبل اسے دودھ پلایا گیا ہو۔ یہ زمانہ بچہ کے دودھ پینے کا ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ بچہ نے کم از کم پانچ مرتبہ شکم سیر ہو کر دودھ پیا ہو۔ ایک مرتبہ شکم سیر ہو کر دودھ پینے کا مطلب یہ ہے کہ بچہ خود سیری کے احساس سے پستان چھوڑ دے۔

پانچ مرتبہ کی قید مختلف روایتوں کے پیش نظر رائج اور منی براعتدال ہے۔

۱۰۔ رضاعی بہنیں جس طرح عورت بچہ کی رضاعی ماں بن گئی اسی طرح اس کی لڑکیاں بچہ کی رضاعی بہنیں بن گئیں۔ نیز اس عورت کی بہنیں بچہ کی رضاعی خالائیں بن گئیں۔

اسی طرح عورت کے دوسرے رشتہ دار بھی اس کے رضاعی رشتہ دار بن گئے۔

حدیث نبوی ﷺ ہے:

”يُحَرِّمُ مِنَ الرِّضَاعَةِ مَا يُحَرِّمُ“
ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔“

جس طرح نسب سے پھوپھی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی کا رشتہ حرام ہے اسی طرح رضاعت نے بھی یہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں۔
مُصَاهِرَاتٍ سَے رَشْتُوں کی حُرْمَت:

۱۱۔ بیوی کی ماں (ساس) کا رشتہ بھی حرام رشتوں میں شامل ہے۔
اسلام میں یہ رشتہ اس کی بیٹی کے ساتھ محض عقد ہو جانے کی بنا پر حرام ہو جاتا ہے خواہ اس بیٹی سے زن و شو کا تعلق قائم نہ ہوا ہو کیونکہ ساس، ماں کے درجہ میں ہے۔

۱۲۔ ربیبہ یعنی جس بیوی سے مرد زن و شو کا تعلق قائم کر چکا ہو اس کی لڑکی (جو دوسرے شوہر سے ہو) لیکن اگر اس سے زن و شو کا تعلق قائم نہ کر چکا ہو تو اس کی لڑکی سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۱۳۔ بیٹے کی بیوی بیٹے سے مراد صُلَہی بیٹا ہے نہ کہ متبنی۔ کیونکہ اسلام نے تنبیت (لے پالک) کے قاعدہ کو باطل قرار دیا ہے کہ یہ خلاف حقیقت اور خلاف واقعہ بات ہے۔ اور اس سے حلال حرام اور حرام حلال ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ“
”اس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو حقیقی بیٹا نہیں بنایا ہے یہ محض تمہارے“
ذَلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ ﴿٣﴾

(الاحزاب) منہ سے نکلی ہوئی باتیں ہیں۔“
یعنی یہ محض منہ سے نکلی ہوئی بات ہے، اس سے حقیقت بدلتی نہیں ہے اور نہ اجنبی آدمی رشتہ دار بن سکتا ہے۔

ان تینوں کی حرمت مضاہرت کی وجہ سے ہے۔ مضاہرت سے جو رشتہ استوار ہوتا ہے وہ اس بات کا متقاضی ہے کہ یہ رشتے حرام قرار پائیں۔
دو بہنوں کو جمع کرنا:

۱۲۔ اسلام نے دو بہنوں کو جمع کرنا حرام ٹھہرایا ہے، حالانکہ زمانہ جاہلیت میں یہ جائز تھا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ دو بہنوں کا باہمی رشتہ محبت جس کو اسلام دائمی طور پر برقرار رکھنا چاہتا ہے ایسی صورت میں برقرار نہیں رہ سکتا جبکہ دو بہنیں آپس میں سوکنیں ہوں۔

قرآن نے دو بہنوں کو جمع کرنے کی حرمت صراحت کے ساتھ بیان کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مزید یہ حکم دیا ہے کہ:

”لَا يُجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا“ ”عورت کو اس کی پھوپھی کے ساتھ جمع نہ کیا جائے اور نہ اسے اس کی خالہ کے ساتھ جمع کیا جائے۔“
(مشکوٰۃ: ص ۲۷۳)

نیز فرمایا:

”إِنَّكُمْ إِنْ فَعَلْتُمْ ذَلِكَ قَطَعْتُمْ أَرْحَامَكُمْ“ (ابن حبان)
”اگر تم ایسا کرو گے تو قطع رحمی کر دے گے۔“

اسلام نے صلہ رحمی کی سخت تاکید کی ہے، لہذا وہ ایسی بات کو کس طرح جائز قرار دے سکتا ہے جو قطع رحمی کا باعث ہو۔

❦ شادی شدہ عورتیں:

۱۵۔ شادی شدہ عورت کے لیے جب تک کہ وہ اپنے شوہر کے نکاح میں ہے

دوسرے شخص سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کا جواز دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے:

(ا) شوہر کا انتقال ہو جائے یا وہ طلاق دیدے۔

(ب) اللہ تعالیٰ نے جس عدت کا حکم دیا ہے وہ پوری ہو جائے۔ یہ عدت سابق زوجیت کے حق میں وفا اور عورت کے لیے تحفظ کا ذریعہ ہے۔

حاملہ کے لیے عدت کی مدت وضع حمل تک ہے، خواہ یہ مدت کم ہو یا زیادہ۔ اور جس عورت کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔

اور مطلقہ کی عدت تین حیض ہے، تین حیض کی قید اس لیے رکھی گئی ہے تاکہ رحم پاک ہو جائے اور سابق شوہر سے حمل قرار پانے کا جو امکان ہوتا ہے اس کے پیش نظر یہ حکم احتیاط کے طور پر ہے تاکہ اختلاط نسب سے روکا جائے۔ یہ عدت ان عورتوں کے لیے نہیں ہے جو اس قدر کم سن یا اتنی بوڑھی ہو چکی ہوں کہ ان کو حیض نہ آتا ہو۔ ایسی عورتوں کی عدت تین ماہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”مطلقہ عورتیں تین حیض تک اپنے آپ کو روکے رکھیں۔“

وَالْمُطَلَّاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ (البقرة) ۲۲۸

اور فرمایا:

”تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہو اگر تم کو ان کے معاملہ میں شبہ ہے تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور یہی عدت ان کی بھی ہے جن کو ابھی حیض نہ آیا ہو اور حاملہ

وَاللَّائِي يَنْسَنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَاءِكُمْ إِنْ أَرَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّائِي لَمْ يَحْضُنَّ وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (الطلاق) ۴۳

عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وضع حمل ہو جائے۔“

نیز فرمایا:

”اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ بیویاں چار مہینے دس دن تک اپنے آپ کو روکے رکھیں۔“ (البقرة)

عورتوں کی ان پندرہ اصناف سے نکاح حرام ہے۔ یہ پندرہ اصناف قرآن کریم کی سورہ نساء میں مذکور ہیں۔

❁ مشرک عورتیں:

۱۶- مشرک عورتوں سے بھی نکاح حرام ہے، مشرکہ یعنی بت پرست عورت، مثلاً عرب کی مشرک عورتیں اور ان جیسی دوسری عورتیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں، ایک مومن لونڈی ایک آزاد مشرکہ سے بہتر ہے، اگرچہ تمہیں بھلی معلوم ہو۔ اور اپنی عورتیں مشرکوں کے نکاح میں نہ وہ جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں۔ ایک دامن غلام ایک آزاد مشرک سے بہتر ہے، اگرچہ وہ تمہیں بھلا لگے۔ یہ لوگ آگ کی طرف بلاتے“ (البقرة)

ہیں اور اللہ اپنے اذن سے تمہیں جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے۔“ اس آیت نے واضح طور سے بیان کر دیا کہ مسلمان کا مشرک عورت سے

نکاح اسی طرح ناجائز ہے جس طرح کہ مسلمان عورت کا نکاح مشرک مرد سے ناجائز ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دو ادیان کے درمیان اختلافات کی وسیع خلیج حائل ہے۔ ایک گروہ جنت کی طرف بلاتا ہے اور دوسرا آگ کی طرف۔ یہ اللہ رسول اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور وہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے، نبوت کا انکار کرتا ہے اور آخرت کا منکر ہے۔..... رشتہ ازدواج تو باعث سکون اور ذریعہ مودت ہے۔ مگر یہ دونوں سرے جن کے درمیان کافی فاصلہ ہے کس طرح ایک دوسرے سے مل سکتے ہیں؟

کتابیہ سے نکاح:

یہودی اور نصرانی کتابیہ سے نکاح ان کے اہل کتاب ہونے کی بنا پر قرآن نے جائز ٹھہرایا ہے۔ اور ان کے ساتھ خصوصی معاملہ کرنے کی ہدایت کی ہے۔ اگرچہ انہوں نے اپنے دین میں تحریف کی ہے لیکن بہر حال وہ آسمانی مذہب کے حامل ہیں۔ اسلام نے جس طرح ان کا ذبیحہ جائز قرار دیا ہے اسی طرح ان کی عورتوں سے رشتہ مضاہرت قائم کرنا بھی جائز ٹھہرایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ ﴿٥﴾ (المائدہ)

”جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی ان کی پاکدامن عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں۔“

اسلامی رواداری کی یہ ایک نادر مثال ہے جو مشکل سے دیگر مذاہب و ممل میں مل سکے گی۔ اسلام نے اہل کتاب کو کافر اور گمراہ قرار دینے کے باوجود مسلمان کے لیے جائز کر دیا ہے کہ کتابیہ اس کی بیوی اور اس کے گھر کی مالکہ ہو جس سے وہ سکون حاصل کر سکتا ہے جو اس کی رازدار بن سکتی ہے اور جو اس کی اولاد کی ماں ہو سکتی ہے۔ اسلام نے اس کی اجازت دی ہے جبکہ زوجیت کے تعلق کے بارے میں قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً ۚ﴾ (الروم)

”اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان مودت و رحمت پیدا کی۔“

یہاں ہم اس بات پر متنبہ کرنا ضروری خیال کرتے ہیں کہ دیندار مسلمان خاتون جو دین سے گہرا لگاؤ رکھتی ہو ایک مسلمان کے لیے اس مسلمان عورت سے بہتر ہے جس نے اسلام کو محض وراثت میں پایا ہو۔ نبی ﷺ نے اسی کی تعلیم دی ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«فَاطْفَرُ بِذَاتِ الدِّينِ تَرَبَّتْ يَدَاكَ». (مشکوٰۃ: ص ۲۶۷)

”دیندار خاتون سے نکاح کرو کہ یہ کامیابی کا باعث ہے تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں۔“ (اگر ایسا نہ کرو)

اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ مسلمان عورت خواہ وہ کیسی ہی ہو مسلمان مرد کے لیے کتابی عورت کے مقابلہ میں بہتر ہے۔ نیز جب کوئی مسلمان اپنی اولاد کے عقیدہ اور تربیت کے تعلق سے ایسی بیوی کی طرف سے اندیشہ محسوس کرے تو دین کی خاطر اس سے احتیاط کرنا اور اس اندیشہ سے بچنا ضروری ہو جاتا ہے۔

علاوہ ازیں اگر کسی ملک میں مسلمانوں کی تعداد کم ہو تو ایسی صورت میں مسلمان مردوں پر کتابی عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس صورت میں اگر مسلمان اپنی عورتوں کو چھوڑ کر کتابی عورتوں سے نکاح کریں گے جبکہ مسلمان عورتیں صرف مسلمان مردوں ہی سے نکاح کر سکتی ہیں تو گویا مسلمان لڑکیوں کو مبتلائے مصیبت کرنا ہوگا کہ ان کو کوئی پوچھنے والا نہ ہو اور وہ تباہ ہو کر رہ جائیں۔ یہ صورت مسلم معاشرہ کے لیے سخت مضر ہے اور اس ضرر کا ازالہ اسی

احکام نکاح

طرح ممکن ہے کہ اس مباح چیز کو مشروط مانا جائے اور ایک وقت تک کے لیے اس پر عمل درآمد موقوف رکھا جائے۔

❦ مسلمان عورت کا غیر مسلم سے نکاح:

مسلمان عورت کا غیر مسلم سے نکاح کرنا حرام ہے، خواہ غیر مسلم کتابی ہو یا غیر کتابی۔ اس کے لیے کسی حال میں غیر مسلم سے نکاح جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُوْمِنُوا﴾ (البقرة) ۲۴
 ”اپنی عورتوں کو مشرکین کے نکاح میں نہ دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں۔“

حافظ مومن مہاجر عورتوں کے بارے میں فرمایا:

﴿فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ﴾ (الممتحنة) ۱۰
 ”پھر جب تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومن عورتیں ہیں تو انہیں کفار کی طرف واپس نہ کرو۔ نہ وہ کفار کے لیے حلال ہیں اور نہ کفار ان کے حلال۔“

اور کوئی نص ایسی وارد نہیں ہوئی ہے جس میں اہل کتاب کو اس حکم سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہو، لہذا مسلمانوں کا اس کی حرمت پر اجماع ہے۔

اسلام نے مسلمانوں کو یہودی اور نصرانی عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دی ہے لیکن مسلمان عورتوں کو یہودیوں اور نصرانیوں سے نکاح کی اجازت نہیں دی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد گھر کا مالک ہوتا ہے اور عورت کے لیے قوام کی حیثیت رکھتا ہے نیز اس کے بارے میں جوابدہ ہوتا ہے۔ مزید برآں یہ حقیقت ہے کہ اسلام نے کتابیہ بیوی کو آزادی عقیدہ کی ضمانت دی ہے اور شرعی قوانین و احکامات کے ذریعہ اس کے حقوق متعین کئے ہیں اور اس کی

حرمت کا تحفظ کیا ہے۔ لیکن دیگر مذاہب مثلاً یہودیت اور نصرانیت نے کسی اور مذہب سے تعلق رکھنے والی بیوی کے لیے نہ کسی قسم کی آزادی کی ضمانت دی ہے اور نہ اس کے حقوق کا تحفظ کیا ہے۔ ایسی صورت میں اسلام کس طرح اپنی بیٹیوں کے مستقبل کو خطرہ میں ڈال سکتا ہے اور ان کو ایسے لوگوں کے حوالے کر سکتا ہے جو ان عورتوں کے دین کے معاملہ میں نہ رشتہ داری کا خیال کریں اور نہ عہد کا؟

در اصل مرد کو اپنی بیوی کے عقیدہ کا احترام کرنا چاہئے تاکہ دونوں کے درمیان بہتر تعلقات قائم رہیں۔ جہاں تک مسلمان کے عقیدہ کا تعلق ہے وہ یہودیت و نصرانیت کو اپنی اصل کے اعتبار سے ان کی تحریفات سے قطع نظر کرتے ہوئے آسمانی مذہب خیال کرتا ہے وہ تورات و انجیل پر ایمان رکھتا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم رسولوں کو بھی مانتا ہے۔ اس لیے کسی کتابی عورت کے لیے ایسے مرد کے پہلو میں زندگی گزارنا مشکل نہیں ہے جو اس کے اصل دین اس کی کتاب اور اس کے نبی کا احترام کرتا ہو اور احترام ہی نہیں بلکہ ان باتوں کو ماننے بغیر ایمان ہی صحیح نہ قرار پاتا ہو۔ اس کے برخلاف یہودی اور نصرانی اسلام کا ادنیٰ اعتراف نہیں کرتے نہ اسلام کی کتاب کا اور نہ اس کے رسول ﷺ کا لہذا یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک مسلمان عورت اس قسم کا عقیدہ رکھنے والے مرد کے زیر سایہ زندگی گزارے؟ جبکہ مسلمان عورت کا دین اس سے شعائر و عبادات اور فرائض و واجبات کا مطالبہ کرتا ہے اور کتنی چیزوں کو حلال اور کتنی ہی چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے؟ ایسی صورت میں مسلمان عورت کے لیے اپنے عقیدہ اور اپنے دین کا تحفظ کرنا جبکہ مرد قوام ہو کر اس کا پوری طرح منکر ہو ایک امر محال ہے۔

یہاں اسلام کی اس معقولیت کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس نے مسلمان کا بت پرست مشرک سے نکاح کیوں حرام ٹھہرایا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام شرک اور بت پرستی کا سخت مخالف ہے۔ بنا بریں زواجین کے درمیان سکون و مودت اور

رحمت کی صورت کس طرح پیدا ہو سکتی ہے۔ (اسلام میں حلال و حرام: ص ۲۳۶-۲۳۷)

❦ بیوہ اور مطلقہ سے نکاح:

اسلام عورتوں کو نکاح کے رشتے میں بندھا رکھنا چاہتا ہے کیونکہ یہ بات اس کی عزت و عصمت کو محفوظ رکھتی ہے۔ عہد نبوی ﷺ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بیویاں جب بیوہ ہو جاتیں تو دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اور خود رسول اللہ ﷺ اس کا خاص لحاظ رکھتے کہ وہ بغیر کسی مرد کے جو ان کی عفت و عصمت کا محافظ ہونہ رہنے پائیں۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت میں اس کی مثالیں بہ کثرت ملتی ہیں۔ قرآن کے اس ارشاد کے مطابق کہ ﴿وَائْتِمِزُوا الْيَامَنِي مِنْكُمْ﴾ ”اپنی قوم کی بیواؤں سے نکاح کرو۔“ اس کا بہت لحاظ رکھا جاتا کہ کوئی خاتون بغیر کسی سرپرست کے زندگی نہ گزارے۔ بیوہ کے لیے عدت چار مہینے دس دن۔ مطلقہ کی عدت تین حیض اور حاملہ (بیوہ یا مطلقہ) کی عدت بچے کی پیدائش ہے۔ یعنی اس کے بعد وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے اس مقررہ مدت کے ختم ہونے سے پہلے نکاح کرنا حرام ہے۔

❦ زانی اور زانیہ کے نکاح کا حکم:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً﴾ ”زنا کرنے والا بجز زانیہ اور مشرکہ عورت کے کسی سے نکاح نہ کرے۔“ اسلامی شریعت نے جو طریقے ایک مرد کو کسی عورت سے متمتع کرنے کے مقرر کر دیئے ہیں ان کے علاوہ کسی اور طریقے سے یعنی مقررہ حدود کو توڑ کر یہ تعلق قائم کرنا اصطلاح شریعت میں زنا کہلاتا ہے اور اس کی شاعت اس درجہ ہے کہ اسلامی معاشرہ ایسے مرد و عورت کو قبول کرنے سے باز رہتا ہے جو لوگ شرعی قوانین کے پابند نہ ہوں ان کو شریعت خارج از اسلام قرار دیتی ہے۔ اور انہیں وہی حیثیت دیتی ہے جو ایک مشرک کی حیثیت ہو۔ چنانچہ زانیہ کے لیے کوئی عدت نہیں اگر اس کو حمل رہ گیا ہے تو اسی کے ساتھ نکاح ہو سکتا ہے۔ جس کا حمل ہے۔ لیکن اگر

کوئی دوسرا شخص اس سے نکاح کرے تو اسے مباشرت نہ کرنا چاہئے تاکہ حمل میں اختلاط واقع نہ ہو۔ نیز یہ بات بھی یاد رہے کہ دوسرا شخص اس سے اسی وقت نکاح کر سکتا ہے جبکہ زنا اس سے اتفاقاً صادر ہوا ہو ورنہ وہ عورت جو زنا کی پیشہ ور عادی ہو اس سے نکاح حرام ہے اور دوسرے شخص سے نکاح بھی وضع حمل کے بعد ہوگا پہلے نہیں۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”یہ حکم جو قرآن کی رو سے بالکل صریح اور واجب ہے وہ متقضائے عقل و فطرت بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کے لیے یہ بات حرام ٹھہرائی ہے کہ وہ کسی فاحشہ عورت کا شوہر یا دیوث یا رفیق ہو۔ اللہ نے انسان کو جس فطرت پر پیدا کیا ہے وہ ایسی باتوں کو قبیح اور معیوب خیال کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی شخص کو بہت زیادہ برا بھلا کہنا ہو تو بولتے ہیں یہ فاحشہ عورت کا شوہر ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے مسلمان کے لیے حرام ٹھہرایا کہ وہ واقعی ایسا بن جائے۔ اس تحریم سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ عورت کا یہ گناہ شوہر کے بستر کی خرابی اور نسب کی خرابی کا موجب ہے حالانکہ اللہ نے نسب کو عظیم مصلحتوں پر قائم فرمایا ہے اور اس کو اپنی نعمتوں میں شمار کیا ہے۔ لیکن زنا نطفہ کے اختلاط کا باعث ہے اور اس سے نسب مشتبہ ہو جاتا ہے۔ لہذا شریعت کی یہ خوبی ہے کہ اس نے زانیہ سے نکاح حرام ٹھہرایا جب تک کہ وہ توبہ نہ کرے اور اپنے رحم کو پاک نہ کرے۔ (یعنی کم از کم ایک حیض نہ آئے)۔“ (امام المہان: ج ۱ ص ۶۶-۶۷)

روایت ہے کہ مرثد بن ابی مرثد رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے ایک زنا کار عورت سے جس کے ساتھ زمانہ جاہلیت میں ان کا تعلق تھا اور جس کا نام

”عناق“ تھا، نکاح کرنے کی اجازت طلب کی، نبی ﷺ نے اعراض فرمایا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی:

﴿الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ وَحُرْمٌ ذَلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾ (النور)

اور یہ اہل ایمان پر حرام کر دیا گیا ہے۔

آپ ﷺ نے یہ آیت انہیں سنائی اور فرمایا:

”لَا تَنْكِحُهَا“ (ابوداؤد و الترمذی) ”اس سے نکاح نہ کرو۔“

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پاکدامن مومن عورتوں اور پاکدامن کتابی عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ٹھہرایا ہے۔ اسی طرح مردوں کے لیے نکاح اس شرط کے ساتھ جائز ٹھہرایا ہے کہ وہ:

﴿مُحْصِنِينَ غَيْرِ مُسْفِحِينَ﴾ (النساء)

”قید نکاح میں لانے والے ہوں نہ کہ بدکاری کرنے والے۔“

تو جو شخص کتاب اللہ کے اس حکم کو تسلیم نہ کرے اور اس کی پابندی قبول نہ کرے وہ مشرک ہے۔ اس سے نکاح کرنا وہی شخص پسند کر سکتا ہے جو اسی کی طرح مشرک ہو۔ لیکن جس نے اس حکم کو تسلیم کیا اور اس کی پابندی کو قبول کیا لیکن عمل اس کے خلاف کیا اور جس عورت سے نکاح حرام ہے اس سے نکاح کر لیا تو وہ زانی ہے۔

زانیہ سے نکاح کی حرمت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ زانیہ خبیث عورت ہوتی ہے۔ اللہ سبحانہ نے نکاح کو باعث مودت و رحمت بنایا ہے۔ اور مودت خالص محبت کا نام ہے، لہذا ایک خبیث عورت کس طرح ایک پاکیزہ مرد کی محبوب بیوی بن سکتی ہے؟ زوج کو زوج اس لیے کہتے ہیں کہ وہ باہم مشابہ

(ہم آہنگ) ہوتے ہیں۔ لیکن طیب اور خبیث کے درمیان شرعاً اور عقلاً کامل منافرت پائی جاتی ہے۔ اس لیے دونوں کے درمیان نہ ہم آہنگی پیدا ہو سکتی ہے اور نہ ہمدردی اور محبت کے جذبات۔ اللہ تعالیٰ نے بالکل صحیح فرمایا ہے:

”الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ
وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ
لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ“^(۳۱)
”خبیث عورتیں خبیث مردوں کے
لیے ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں
کے لیے، پاکیزہ عورتیں پاکیزہ
مردوں کے لیے ہیں اور پاکیزہ مرد
پاکیزہ عورتوں کے لیے۔“

نکاح شغار

عرب کے دور جاہلیت میں عام طور پر تو نکاحوں میں معاوضہ نکاح بصورت مہر مقرر ہوتا تھا۔ جس کی ایک صورت یہ تھی کہ ایک شخص اپنی لڑکی یا ہمیشہ کا کسی دوسرے کے لڑکے یا قریبی سے نکاح کر دیتا، اس شرط پر کہ تو اپنی لڑکی یا ہمیشہ میرے ساتھ یا میرے لڑکے کے ساتھ نکاح کر دے۔ مہر اس میں کچھ نہ ہوتا تھا۔ اس کا نام شغار تھا۔ پس شغار کے معنی اردو میں نکاح مُبادا ہے۔

حدیث میں اس قسم کے نکاح کو حرام کہا گیا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ حرمت زمانہ جاہلیت کے نکاح بٹہ کے بارے میں ہے۔ ہمارے ملک میں اب جو مروجہ نکاح بٹہ ہے وہ جائز ہے۔ یہ اس حرمت کی زد میں نہیں آتا وجہ اس کی یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت والے نکاح بٹہ کی ایجاب و قبول کی مجلس میں یہ کہتے تھے کہ میں نے اپنی لڑکی یا ہمیشہ کا نکاح اس شرط پر کیا کہ تو نے اپنی لڑکی یا ہمیشہ کا نکاح مجھ سے کر دیا۔ اور حاضرین مجلس میں سب کو یہ معلوم ہو جاتا کہ یہ نکاح بٹہ ہے۔ لیکن ہمارے ہاں جو نکاح بٹہ ہے اس کے بارے میں پہلے سے وعدہ

معاہدہ ہو چکا ہوتا ہے۔ اس لیے مجلس نکاح میں تبادلے کا ذکر نہیں آتا اور دونوں نکاحوں کی مجلس بھی ایک نہیں ہوتی، ایک دودن یا کئی دنوں مہینوں کا درمیان میں فرق ہوتا ہے۔ اور مہر بھی دونوں لڑکیوں کا الگ الگ مقرر کیا جاتا ہے۔ اور حاضرین مجلس کو بھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ نکاح بٹہ ہے۔ اس لیے مروجہ نکاح بٹہ اور زمانہ جاہلیت والے نکاح بٹہ میں بڑا فرق ہے۔ وہاں دونوں طرف مہر مقرر نہیں ہوتا تھا۔ اور یہاں دونوں طرف الگ الگ مہر مقرر ہوتا ہے۔ اس لیے حرمت کا فتویٰ جاہلیت والے نکاح کے لیے ہے۔ موجودہ نکاح بٹہ کے لیے نہیں، باقی رہی یہ بات کہ ایسے نکاحوں میں عموماً جھگڑے تازے پیدا ہو جاتے ہیں تو یہ کوئی حرمت کی دلیل نہیں ہے۔ جھگڑے تازے تو عام نکاحوں میں بھی پیدا ہو جاتے ہیں تو کیا محض جھگڑا تازع کی بنا پر ان نکاحوں پر بھی حرمت کا فتویٰ لگایا جا سکتا ہے؟

نکاح مُتَعہ

اسلام میں نکاح کی حیثیت ایک مضبوط عقد اور پختہ عہد کی ہے، جس کی پشت پر زوجین کا ابدی زندگی گزارنے کا ارادہ کارفرما ہوتا ہے۔ تاکہ باہم نفسیاتی سکون اور مودت و رحمت کی فضا پیدا ہو۔ علاوہ ازیں اس کا مقصد عمرانی بھی ہے، یعنی سلسلہ تناسل کو جاری رکھنا تاکہ نوع انسانی کی بقا کا سامان ہو۔

”وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَنِينَ وَحَفَدَةً“ (النحل)

”اور اللہ نے تمہاری جنس سے تمہارے لیے بیویاں پیدا کیں، اور تمہاری بیویوں سے تمہارے لیے بیٹے اور پوتے پیدا کئے۔“

رہا متعہ کا نکاح جو مرد کے کسی عورت سے مقررہ مدت کے لیے مقررہ

اجرت پر تعلق پیدا کرنے کا نام ہے تو وہ اس حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ اس کی اجازت شریعت کی تکمیل سے پہلے سفر اور غزوات وغیرہ کے موقع پر دی گئی تھی۔ لیکن بعد میں آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا اور ابدی طور پر اس کو حرام قرار دیا۔ ابتداء میں متعہ کو اس لیے جائز قرار دیا گیا تھا کہ مسلمان جاہلیت سے اسلام کی طرف بڑھتے ہوئے عبوری دور سے گزر رہے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں زنا آسان اور عام تھا۔ جب اسلام آیا اور غزوات و جہاد کے لیے سفر کا معاملہ درپیش ہوا تو عورتوں سے دوری لوگوں پر شاق گزرنے لگی۔ مسلمانوں کے اندر ایمان کے لحاظ سے قوی اور ضعیف دونوں طرح کے لوگ تھے۔ ضعیف الایمان لوگوں کے زنا میں مبتلا ہو جانے اور بے حیائی کے راستہ پر جا پڑنے کا اندیشہ تھا، لیکن جو لوگ قوی الایمان تھے انہوں نے اپنے کو خضیٰ کر لینے کا ارادہ کر لیا تھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كُنَّا نَغْزُو مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ هُمْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كَاسَاتِهِمْ غَزَوَاتٍ
وَلَيْسَ مَعَنَا نِسَاءٌ، فَقُلْنَا أَلَا
نَسْتَخْصِي؟ فَهَنَّا رَسُولُ اللَّهِ
ﷺ عَنْ ذَلِكَ وَرَخَّصَ لَنَا أَنْ
نَنْكِحَ الْمَرْأَةَ بِالثَّوبِ إِلَى أَجَلٍ
(مشکوٰۃ: ص ۲۷۳)

ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات میں جایا کر جاتے تھے اور ہمارے ساتھ عورتیں نہیں ہوتی تھیں اس لیے ہم نے عرض کیا کیا ہم اپنے کو خضیٰ نہ کر لیں؟ لیکن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس سے منع فرمایا اور ہمیں

اجازت دی کہ ہم کسی عورت سے ایک مدت تک کے لیے کپڑے کے عوض نکاح کر سکتے ہیں۔

متعہ کا یہ جواز رخصت کی حیثیت رکھتا تھا تا کہ ضعیف الایمان اور قوی الایمان دونوں گروہوں کی مشکلات کا حل نکل آئے۔ اسلام مسلمان کی ازدواجی زندگی کے لیے جو شرعی قوانین بنانا چاہتا تھا اس راہ میں یہ ایک قدم تھا وہ ایسی ازدواجی زندگی عطا کرنا چاہتا تھا جو نکاح کے جملہ مقاصد کو پورا کرے۔ مثلاً

پاکدامنی رشتہ نکاح کی مستقل حیثیت سلسلہ تیناٹل، مودت و رحمت۔ نیز خاندان کے دائرہ کی مصاہرت (سرال) کے ذریعہ توسیع وغیرہ۔

جس طرح قرآن نے شراب اور سود کی حرمت کے بارے میں تدریجاً احکام دیئے جبکہ زمانہ جاہلیت میں ان چیزوں کا بڑا رواج اور غلبہ تھا اسی طرح نبی ﷺ نے شرمگاہوں کی حرمت کے سلسلہ میں بھی احکام دینے میں تدریج کا لحاظ فرمایا۔ چنانچہ مجبوری کی صورت میں متعہ کی اجازت دی لیکن بعد میں نکاح کی اس قسم کو بھی حرام قرار دیا۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایک گروہ کا بیان ہے اور صحیح مسلم نے سبرہ چھٹی سے روایت بیان کی ہے کہ:

أَنَّ عَزَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي فَتْحِ مَكَّةَ فَأَذِنَ لَهُمْ فِي مُتَعَةٍ النِّسَاءِ. قَالَ: فَلَمْ يَخْرُجْ حَتَّى حَرَّمَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ.

وہ نبی ﷺ کے ساتھ فتح مکہ کے موقع پر غزوہ میں شریک تھے آپ ﷺ نے شرکائے غزوہ کو عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دی۔

راوی کہتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ نے ہاں سے نکلنے سے پہلے ہی اسے حرام کر دیا۔

دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ ذَٰلِكَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ».

”اللہ نے اسے قیامت تک کے لیے حرام کر دیا ہے۔“

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ حرمت ایسی قطعی ہے جیسے ماں بیٹی وغیرہ سے نکاح کرنا یا یہ حرمت مُردار خون اور سور کے گوشت کی طرح ہے کہ یہ چیزیں مجبوری کی صورت میں اور مشقت میں پڑنے کے اندیشہ کے پیش نظر جائز ہو جاتی ہیں؟

جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے میں یہ تحریم قطعی ہے جس میں رخصت کے لیے کوئی گنجائش شریعت کے اس حکم کو مستقل حیثیت دینے کے بعد باقی نہیں رہی۔ البتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے اختلاف کیا تھا۔ ان کی رائے

میں مجبوری کی صورت میں جائز تھا، چنانچہ کسی نے ان سے متعہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اس کو جائز کہا۔ ان کے غلام نے پوچھا کیا یہ حکم شاید مجبوری کی صورت میں ہے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جی ہاں۔ (بخاری)

لیکن جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو معلوم ہو گیا کہ لوگوں نے اس معاملہ میں کافی گنجائش پیدا کر لی ہے اور بات مجبوری کی حد تک نہیں رہی تو انہوں نے جواز کا فتویٰ دینا بند کر دیا اور اس سے رجوع کر لیا۔

(زاد المعاد: ج ۳ ص ۷۷۔)

شوہر اور بیوی کے حقوق و فرائض

شریعت اسلامیہ نے نکاح کے رشتے کو قائم کرنے کے لیے جو ہدایتیں دی ہیں ان کا مقصد اس تقدس اور پاکیزگی کو یقینی بنانا ہے جس پر ایک صالح خاندان کی بنیاد قائم ہونا چاہئے۔

اس رشتے کو خوش گوار اور استوار رکھنے کے لیے شوہر اور بیوی کے حقوق و فرائض اور ان کا دائرہ عمل اور حدود و اختیار بھی متعین کر دیئے ہیں کیونکہ یہی ایسا تعلق ہے جو ایک مرد اور ایک عورت کو اتنا قریب لے آتا ہے جیسے جسم اور اس جسم کا لباس (جو ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں) اس تعلق کو پائیدار اور خوش گوار رکھنے کے لیے دونوں ذمہ دار بنائے گئے ہیں تاکہ یہ رشتہ نہ ٹوٹے پائے اور نہ اس میں کمزوری آئے پھر چونکہ ایک مرد اور ایک عورت مل کر ایک خاندان کی بنیاد ڈالتے ہیں اور معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ جس کا نظم قائم رکھنے کے لیے ایک سربراہ ہونا ضروری ہے۔ جو خاندان کا ذمہ دار اور نگران ہو اور انتشار و بد نظمی سے محفوظ رکھ سکے۔ تو یہ منصب صرف مرد کو عطا کیا گیا ہے کیونکہ عورت اور مرد کی مخصوص فطرت کے پیش نظر مرد ہی میں قوام بننے کی صلاحیت

ہے قرآن مجید نے اس فطری تَفَوُّق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

”الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ“ ”مردوں کو عورتوں پر قوام اس لیے
بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ (النساء) ۳۴
ایک کو دوسرے پر فضیلت عطا کی ہے۔“

توام کے معنی:

”محافظة اور خبر گیری کرنے والا۔ ذمہ دار اور قائم رکھنے والا۔“ یہ قوام کے معنی ہیں۔ میاں اور بیوی کے بنیادی حقوق برابر ہیں، مگر مرد کو قوام کا منصب اس کی مخصوص فطرت کے سبب دیا گیا ہے۔ کیونکہ عورت فطرۃً اس ذمہ داری کو اس طرح انجام نہیں دے سکتی جس طرح مرد انجام دے سکتا ہے، یہ مطلب ہے

”بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ“ کا اس تَفَوُّق کا ذکر کرنے کے ساتھ یہ بھی ظاہر کر دیا گیا ہے کہ عورتوں کے حقوق مردوں پر اسی طرح ہیں جس طرح ان پر مردوں کے حقوق۔

”وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَ“ ”عورتوں کا حق مردوں پر اسی طرح ہے جس طرح ان کا حق عورتوں پر اور مردوں کو کچھ برتری حاصل ہے۔“

بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَ ۖ (البقرة) ۲۲۸

ہم پہلے ان آداب و فرائض کو بیان کرتے ہیں جن کا تعلق شوہر سے ہے اور پھر ان آداب و فرائض کو بیان کریں گے جن کا تعلق بیوی سے ہے:



بیوی کے حقوق شوہر پر

۱- بیوی کے ساتھ اچھے سلوک کی زندگی گزاریے۔ اس کے حقوق کشادہ دلی کے ساتھ ادا کیجئے اور ہر معاملے میں احسان اور ایثار کی روش اختیار کیجئے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ ”اور ان کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی گزارو۔“

اور نبی ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ایک بہت بڑے اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے ہدایت فرمائی:

”لوگو! سنو! عورتوں کے ساتھ اچھے سلوک سے پیش آؤ، کیونکہ

وہ تمہارے پاس قیدیوں کی طرح ہیں، تمہیں ان کے ساتھ سختی کا

برتاؤ کرنے کا کوئی حق نہیں۔ سوائے اس صورت کے جب ان

کی طرف سے کوئی کھلی نافرمانی سامنے آئے، اگر وہ ایسا کر بیٹھیں

تو پھر خواب گاہوں میں ان سے علیحدہ رہو اور انہیں مارو تو ایسا نہ

مارنا کہ کوئی شدید چوٹ آئے۔ اور پھر جب وہ تمہارے کہنے پر

چلنے لگیں تو ان کو خواہ مخواہ ستانے کے بہانے نہ ڈھونڈو۔ دیکھو

سنو! تمہارے کچھ حقوق تمہاری بیویوں پر ہیں اور تمہاری بیویوں

کے کچھ حقوق تمہارے اوپر ہیں۔ ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ

تمہارے بستروں کو ان لوگوں سے نہ روندوائیں جن کو تم ناپسند

کرتے ہو اور تمہارے گھروں میں ایسے لوگوں کو ہرگز نہ گھسنے

دیں جن کا آنا تمہیں ناگوار ہو۔ اور سنو ان کا تم پر یہ حق ہے کہ تم

انہیں اچھا کھلاؤ اور اچھا پہناؤ۔“ (ریاض الصالحین)

یعنی ان کے کھلانے پلانے کا ایسا انتظام کیجئے جو زوجین کی بے مثال قربت، قلبی تعلق اور جذبہ رفاقت کے شایان شان ہو۔

۲۔ جہاں تک ہو سکے بیوی سے خوش گمان رہیے اور اس کے ساتھ نباہ کرنے میں تحمل، بردباری اور عالی ظرفی کی روش اختیار کیجئے، اگر اس میں شکل و صورت یا عادات و اخلاق یا سلیقہ اور ہنر کے اعتبار سے کوئی کمزوری بھی ہو تو صبر کے ساتھ اس کو برداشت کیجئے اور اس کی خوبیوں پر نگاہ رکھتے ہوئے فیاضی، درگزر، ایثار اور مصلحت سے کام لیجئے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

”وَالصُّلْحُ خَيْرٌ“
”اور مصلحت خیر ہی خیر ہے۔“

اور مومنین کو ہدایت کی گئی ہے:

”فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا“ (النساء)

”پھر اگر وہ تمہیں (کسی وجہ سے) ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو مگر اللہ نے اس میں (تمہارے لیے) بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔“

اسی مفہوم کو نبی ﷺ نے ایک حدیث میں یوں واضح فرمایا ہے:

”کوئی مومن اپنی مومنہ بیوی سے نفرت نہ کرے۔ اگر بیوی کی کوئی عادت اس کو ناپسند ہے تو ہو سکتا ہے کہ دوسری خصلت اس کو پسند آجائے۔“

حقیقت یہ ہے کہ ہر خاتون میں کسی نہ کسی پہلو سے کوئی کمزوری ضرور ہو گی۔ اور اگر شوہر کسی عیب کو دیکھتے ہی اس کی طرف سے نگاہیں پھیر لے اور دل برا کر لے تو پھر کسی خاندان میں گھریلو خوشگواری مل ہی نہ سکے گی۔ حکمت کی روش یہی ہے کہ آدمی درگزر سے کام لے اور اللہ پر بھروسہ رکھتے ہوئے عورت کے ساتھ خوش دلی سے نباہ کرنے کی کوشش کرے۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ اس عورت کے واسطے سے مرد کو کچھ ایسی بھلائیاں سے نوازے جن تک مرد کی کوتاہ نظر نہ پہنچے

رہی ہو۔ مثلاً عورت میں دین و ایمان اور سیرت و اخلاق کی کچھ ایسی خوبیاں ہوں جن کے باعث وہ پورے خاندان کے لیے رحمت ثابت ہو یا اس کی ذات سے کوئی ایسی روح سعید و جود میں آئے جو ایک عالم کو فائدہ پہنچائے اور رہتی زندگی تک کے لیے باپ کے حق میں صدقہ جاریہ بنے۔ یا عورت مرد کی اصلاح حال کا ذریعہ بنے۔ اور اس کو جنت سے قریب کرنے میں مددگار ثابت ہو۔ یا پھر اس کی قسمت سے دنیا میں اللہ اس مرد کو کشادہ روزی اور خوش حالی سے نوازے۔ بہر حال عورت کے کسی ظاہری عیب کو دیکھ کر بے صبری کے ساتھ ازدواجی تعلق کو برباد نہ کیجئے بلکہ حکیمانہ طرز عمل سے آہستہ آہستہ گھر کی فضا کو زیادہ سے زیادہ خوشگوار بنانے کی کوشش کیجئے۔

۳۔ عفو و کرم کی روش اختیار کیجئے اور بیوی کی کوتاہیوں، نادانیوں اور سرکشیوں سے چشم پوشی کیجئے۔ عورت عقل و خرد کے اعتبار سے کمزور اور نہایت ہی جذباتی ہوتی ہے اس لیے صبر و سکون، رحمت و شفقت اور دل سوزی کے ساتھ اس کو سدھارنے کی کوشش کیجئے اور صبر و ضبط سے کام لیتے ہوئے نباہ کیجئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنِّ مِنْ
أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا
لَكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ وَإِنْ تَعَفَّوْا
وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ
غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٣﴾ (التغابن)

”مومنو! تمہاری بعض بیویاں اور
بعض اولاد تمہارے دشمن ہیں سو
ان سے بچتے رہو اور اگر تم عفو
و کرم درگزر اور چشم پوشی سے کام
لو تو یقین رکھو کہ اللہ بہت ہی
زیادہ رحم کرنے والا ہے۔“

نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

”عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ عورت پسلی سے پیدا کی گئی
ہے اور پسلیوں میں سب سے زیادہ اوپر کا حصہ ٹیڑھا ہے اس کو

سیدھا کرو گے تو ٹوٹ جائے گی۔ اور اگر اس کو چھوڑے رہو تو
ٹپڑھی ہی رہے گی۔ بس عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔“
(بخاری، مسلم)

۴۔ بیوی کے ساتھ خوش اخلاقی کا برتاؤ کیجئے اور پیار و محبت سے پیش آئیے
نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

”کامل ایمان والے مومن وہ ہیں جو اپنے اخلاق میں سب سے
اچھے ہوں اور تم میں سب سے اچھے لوگ وہ ہیں جو اپنی بیویوں
کے حق میں سب سے اچھے ہوں۔“ (ترمذی)

اپنی خوش اخلاقی اور نرم مزاجی کو جانچنے کا اصل میدان گھریلو زندگی ہے
گھر والوں ہی سے ہر وقت کا واسطہ رہتا ہے اور گھر کی بے تکلف زندگی میں ہی
مزاج اور اخلاق کا ہر رخ سامنے آتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ وہی مومن اپنے
ایمان میں کامل ہے جو گھر والوں کے ساتھ خوش اخلاقی، خندہ پیشانی اور مہربانی
کا برتاؤ رکھے۔ گھر والوں کی دلجوئی کرے اور پیار و محبت سے پیش آئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نبی ﷺ کے یہاں گڑیوں سے
کھلیا کرتی تھی اور میری سہیلیاں بھی میرے ساتھ کھیلتیں، جب نبی ﷺ تشریف
لاتے تو سب ادھر ادھر چھپ جاتیں۔ آپ ﷺ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایک ایک کو
میرے پاس بھیجتے تاکہ میرے ساتھ کھیلیں۔ (بخاری، مسلم)

ایک بار حج کے موقع پر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ بیٹھ گیا اور وہ سب
سے پیچھے رہ گئیں۔ نبی اکرم ﷺ نے دیکھا کہ وہ زار و قطار رو رہی ہیں۔ آپ
ﷺ رک کئے اور اپنے دست مبارک سے چادر کا پلو لے کر ان کے آنسو
پونچھے۔ آپ ﷺ آنسو پونچھتے جاتے تھے اور وہ بے اختیار روتی جاتی تھیں۔

۵۔ پوری فراخ دلی کے ساتھ ریفقہ حیات کی ضروریات فراہم کیجئے اور خرچ
میں کبھی تنگی نہ کیجئے۔ اپنی محنت کی کمائی گھر والوں پر صرف کر کے سکون

وسرت محسوس کیجئے۔ کھانا کپڑا بیوی کا حق ہے اور اس حق کو خوش دلی اور کشادگی کے ساتھ ادا کرنے کے لیے دوڑ دھوپ کرنا شوہر کا انتہائی خوشگوار فریضہ ہے اس فریضے کو کھلے دل سے انجام دینے سے نہ صرف دنیا میں خوشگوار ازدواجی زندگی کی نعمت ملتی ہے بلکہ مومن آخرت میں بھی اجر و انعام کا مستحق بنتا ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

”ایک دینار تو وہ ہے جو تم نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا ایک دینار وہ ہے جو تم نے کسی غلام کو آزاد کرانے میں صرف کیا۔ ایک دینار وہ ہے جو تم نے کسی فقیر کو صدقہ میں دیا اور ایک دینار وہ ہے جو تم نے اپنے گھر والوں پر صرف کیا۔ ان میں سب سے زیادہ اجر و ثواب اس دینار کے خرچ کرنے کا ہے جو تم نے اپنے گھر والوں پر صرف کیا ہے۔“ (مسلم)

۶۔ بیوی کو دینی احکام اور تہذیب سکھائیے دین کی تعلیم دیجئے۔ اسلام اخلاق سے آراستہ کیجئے اور اس کی تربیت اور سدھار کے لیے ہر ممکن کوشش کیجئے تاکہ وہ ایک اچھی بیوی اچھی ماں اور اللہ کی نیک بندی بر سکے اور اپنے منصبی فرائض کو محسن و خوبی ادا کر سکے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا﴾
”ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔“ (التحریم)

نبی ﷺ جس طرح باہر تبلیغ و تعلیم میں مصروف رہتے تھے اسی طرح گھر میں بھی اس فریضے کو ادا کرتے رہتے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن نے نبی ﷺ کی بیویوں کو خطاب کیا ہے:

”اور تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور حکمت کی باتیں سنائی جاتی ہیں ان کو یاد رکھو۔“

قرآن مجید میں نبی ﷺ کے واسطے سے مومنوں کو ہدایت کی گئی ہے:
 ﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾
 ”اور اپنے گھر والوں کو نماز کی تاکید کیجئے اور خود بھی اس کے پورے پابند رہیے۔“

حضرت نبی ﷺ کا ارشاد ہے:
 ”جب کوئی مرد رات میں اپنی بیوی کو جگاتا ہے اور وہ دونوں مل کر دو رکعت نماز پڑھتے ہیں تو شوہر کا نام ذکر کرنے والوں میں اور بیوی کا نام ذکر کرنے والیوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔“ (ابوداؤد)
 خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ شب میں اللہ کے حضور کھڑے عبادت کرتے رہتے، پھر جب سحر کا وقت آتا تو اپنی رفیقہ حیات کو جگاتے اور کہتے اٹھو اٹھو نماز پڑھو اور پھر یہ آیت بھی پڑھتے:

﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾

۷۔ اگر کئی بیویاں ہوں تو سب کے ساتھ برابری کا سلوک کیجئے۔ نبی ﷺ بیویوں کے ساتھ برتاؤ میں برابری کا بڑا اہتمام فرماتے۔ سفر پر جاتے تو قرعہ نکالتے اور قرعہ میں جس بیوی کا نام آتا اسی کو ساتھ لے جاتے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”اگر کسی شخص کی دو بیویاں ہوں اور اس نے ان کے ساتھ انصاف اور برابری کا سلوک نہ کیا تو قیامت کے روز وہ شخص اس حال میں آئے گا کہ اس کا آدھا دھڑ گر گیا ہوگا۔“ (ترمذی)

انصاف اور برابری سے مراد معاملات اور برتاؤ میں مساوات برتنا ہے۔ رہی یہ بات کہ کسی ایک بیوی کی طرف دل کا جھکاؤ اور محبت کے جذبات زیادہ ہوں تو یہ انسان کے بس میں نہیں ہے اور اس پر اللہ کے یہاں کوئی گرفت نہ ہوگی۔

صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے:

لَا يَفْرُكُ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِنْ كَرِهَ
مِنْهَا خَلْقًا رَضِيَ مِنْهَا آخِرَ
مومن کا یہ شیوہ نہیں ہے کہ مومنہ
بیوی میں کوئی بات اچھی نہ لگے تو اس
سے نفرت کرنے لگے، دوسری کوئی
(مشکوٰۃ: ص ۲۸۰)

بات ایسی بھی ہو سکتی ہے جو اسے بہت اچھی لگے۔

ہو سکتا ہے کہ ظاہری حسن و جمال میں ایک عورت مرد کے معیار سے فروتر
نظر آتی ہو مگر باطن اس کا بہت اعلیٰ و ارفع ہو۔ صورت و شکل کسی کے اختیار کی چیز
نہیں جبکہ سیرت و کردار کو بلند کرنا اختیار میں ہوتا ہے۔ عورت فطرۃً کمزور ہوتی
ہے اس لیے اگر کسی کمزوری کا اظہار ہو تو اسے نرمی اور ملکہ طفت سے دور کیا جا
سکتا ہے سختی اور درشتی سے نہیں۔ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث
رہنمائی کرتی ہے:

اِسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ فَإِنَّ الْمَرْأَةَ
خُلِقَتْ مِنْ ضِلْعٍ فَإِنْ ذَهَبَتْ
تَقِيْمُهُ كَسْرَتَهُ وَإِنْ تَرَكَتَهُ لَمْ
يَزَلْ أَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ
”عورتوں سے نیک برتاؤ کرو
عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اگر تم
اس کو سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے
تو تم اسے توڑ دو گے اور اگر تم اسے
اپنے حال پر رہنے دو گے تو وہ بدستور
(بخاری و مسلم)

خمیدہ رہے گی۔ لہذا تم عورتوں سے نیک برتاؤ کرتے رہو۔“
ظلم اور ایذا رسانی:

یہ حدیث جو ابھی بیان ہوئی اس کا تقاضا ہے کہ صنف نازک کو ایذا اور
تکلیف نہ دی جائے نہ ان سے سخت کلامی کی جائے نہ طعن و تشنیع سے دل شکنی کی
جائے انہیں اپنے اقرباء سے ملنے پر پابندی نہ لگائے جائے ان کی مادی
ضرورتوں کے ساتھ ان کی دلی خواہشوں کو پورا کرنے کا بھی خیال رکھا جائے۔
قرآن مجید میں ظلم و زیادتی نہ کرنے کا حکم اپنی منکوحہ بیویوں کے بارے میں ہی

نہیں بلکہ مطلقہ بیویوں کے بارے میں بھی دیا ہے:

﴿وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضَرَارًا ۚ "ان کو محض تکلیف پہنچانے کے لیے
لِتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ
ظَلَمَ نَفْسَهُ (۲۳)﴾ (البقرة)
روک نہ رکھو اور جو ایسا کرے گا وہ
اپنے اوپر ظلم کرے گا۔“

❦ عورت کا حق اور دینی فرائض:

دینی کاموں میں ایسا انہماک جو بیوی کے مادی اور جنسی حقوق کی ادائیگی
سے توجہ ہٹا دے کارِ ثواب نہیں ہے۔ کیونکہ حق تلفی بہر حال گناہ ہے۔
ایک ممتاز صحابی رضی اللہ عنہ راتوں کو نماز پڑھنے اور دن کو روزہ رکھنے میں گزار
دیتے اور بیوی کی طرف توجہ نہ کرتے۔ آپ ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے
انہیں بلا کر تنبیہ کی اور فرمایا: «وَإِنْ لَزَوْجُكَ عَلَيْكَ حَقًّا»۔ ”اور تمہاری بیوی کا
بھی تم پر حق ہے۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جبکہ اسلام کو پھیلانے کے
لیے اکثر مسلمان اپنے گھروں سے باہر مصروف جہاد رہا کرتے، آپ ﷺ نے
حکم دیدیا تھا کہ کوئی چار مہینے سے زیادہ اپنی بیوی سے الگ نہ رہے۔

شوہر کے حقوق بیوی پر

① نہایت خوشدلی کے ساتھ اپنے شوہر کی اطاعت کیجئے اور اس اطاعت میں
مُسَرَّت اور سکون محسوس کیجئے اس لیے کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ اور جو عورت
اللہ کے حکم کی تعمیل کرتی ہے وہ اپنے اللہ کو خوش کرتی ہے قرآن میں ہے:
﴿فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ﴾
”نیک بیویاں (شوہر کی) اطاعت
کرنے والی ہوتی ہیں۔“

نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

”کوئی عورت شوہر کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ نہ رکھے۔“ (ابوداؤد)

شوہر کی اطاعت اور فرماں برداری کی اہمیت واضح کرتے ہوئے نبی ﷺ نے عورت کو تنبیہ کی ہے:

”دو قسم کے آدمی وہ ہیں جن کی نمازیں ان کے سروں سے اونچی نہیں اٹھتیں..... اس غلام کی نماز جو اپنے آقا سے فرار ہو جائے جب تک وہ لوٹ نہ آئے اور اس عورت کی نماز جو شوہر کی نافرمانی کرے جب تک کہ شوہر کی نافرمانی سے باز نہ آجائے۔“ (الترغیب والترہیب)

اپنی آبرو اور عصمت کی حفاظت کا اہتمام کیجئے اور ان تمام باتوں اور کاموں سے بھی دور رہیے جن سے دامن عصمت پر دھبہ لگنے کا اندیشہ بھی ہو اللہ کی ہدایت کا تقاضا بھی یہی ہے اور ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنائے رکھنے کے لیے بھی یہ انتہائی ضروری ہے۔ اس لیے کہ اگر شوہر کے دل میں اس طرح کا کوئی شبہ پیدا ہو جائے تو پھر عورت کی کوئی خدمت و اطاعت اور کوئی بھلائی شہر کو اپنی طرف مائل نہیں کر سکتی اور اس معاملہ میں معمولی سی کوتاہی سے بھی شوہر کے دل میں شیطان شبہ ڈالنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ لہذا انسانی کمزوری کو نگاہ میں رکھتے ہوئے انتہائی احتیاط کیجئے۔

نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

”عورت جب پانچوں وقت کی نماز پڑھے اپنی آبرو کی حفاظت کرنے اپنے شوہر کی فرمانبرداری رہے تو وہ جنت میں جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔“ (مشکوٰۃ: ص ۲۸۱)

شوہر کی اجازت اور مرضی کے بغیر گھر سے باہر نہ جائے اور نہ ایسے گھروں میں جایے جہاں شوہر آپ کا جانا پسند نہ کرے اور نہ ایسے لوگوں کو اپنے گھر میں آنے کی اجازت دیجئے جن کا آنا شوہر کو ناگوار ہو۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”اللہ پر ایمان رکھنے والی عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کے گھر میں کسی ایسے شخص کو آنے کی اجازت دے جس کا آنا شوہر کو ناگوار ہو اور وہ گھر سے ایسی صورت میں نہ نکلے جب کہ اس کا نکلنا شوہر کو ناگوار ہو اور عورت شوہر کے معاملے میں کسی دوسرے کا کہنا نہ مانے۔“ (الترغیب والترہیب)

یعنی شوہر کے معاملے میں شوہر کی مرضی اور اشارہ چشم و ابرو ہی پر عمل کیجئے اور اس کے خلاف ہرگز دوسروں کے مشورے کو نہ اپنائیے۔ ہمیشہ اپنے قول و عمل اور انداز و اطوار سے شوہر کو خوش رکھنے کی کوشش کیجئے۔ کامیاب ازدواجی زندگی کا راز بھی یہی ہے۔ اور اللہ کی رضا اور جنت کے حصول کا راستہ بھی یہی ہے۔

نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

”جس عورت نے بھی اس حالت میں انتقال کیا کہ اس کا شوہر اس سے راضی اور خوش تھا تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔“ (مشکوٰۃ: ص ۲۸۱) اور نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

”جب کوئی آدمی اپنی بیوی کو جنسی ضرورت کے لیے بلائے اور وہ نہ آئے اور اس بنا پر شوہر رات بھر اس سے خفا رہے تو ایسی عورت پر صبح تک فرشتے لعنت کرتے رہتے ہیں۔“ (بخاری و مسلم)

اپنے شوہر سے محبت کیجئے اور اس کی رفاقت کی قدر کیجئے۔ یہ زندگی کی زینت کا سہارا اور راہ حیات کا عظیم معین و مددگار ہے۔ اللہ کی اس عظیم نعمت پر اللہ کا بھی شکر ادا کیجئے اور اس نعمت کی بھی دل و جان سے قدر کیجئے۔ نبی ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا:

”نکاح سے بہتر کوئی چیز دو محبت کرنے والوں کے لیے نہیں پائی گئی۔“

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو نبی ﷺ سے انتہائی محبت تھی۔ چنانچہ جب آپ ﷺ بیمار ہوئے تو انتہائی حسرت کے ساتھ بولیں ”کاش آپ ﷺ کے بجائے میں بیمار ہوتی۔“ نبی ﷺ کی دوسری بیویوں نے اس اظہار محبت پر تعجب سے ان کی طرف دیکھا تو نبی ﷺ نے فرمایا:

”دکھا دانیس ہے بلکہ سچ کہہ رہی ہیں۔“

⑤ شوہر کا احسان مانے اس کی شکر گزار رہیے آپ کا سب سے بڑا محسن آپ کا شوہر ہی تو ہے جو ہر طرح آپ کو خوش کرنے میں لگا رہتا ہے آپ کی ہر ضرورت کو پورا کرتا ہے اور آپ کو ہر طرح کا آرام پہنچا کر آرام محسوس کرتا ہے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک بار نبی ﷺ میرے پاس سے گزرے میں اپنی پڑوسن سہیلیوں کے ساتھ تھی۔ آپ ﷺ نے ہمیں سلام کیا اور ارشاد فرمایا ”تم پر جن کا احسان ہے ان کی ناشکری سے بچو۔ تم میں کوئی ایک اپنے ماں باپ کے یہاں کافی دنوں تک بن بیاہی بیٹھی رہتی ہے پھر اللہ اس کو شوہر عطا فرماتا ہے پھر اللہ اس کو اولاد سے نوازتا ہے (ان تمام احسانات کے باوجود) اگر کبھی کسی بات پر شوہر سے خفا ہوتی ہے تو کہہ اٹھتی ہے۔ میں نے تو کبھی تمہاری طرف سے کوئی بھلائی دیکھی ہی نہیں۔“ (الادب المفرد)

ناشکر گزار اور احسان فراموش بیوی کو تنبیہ کرتے ہوئے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ قیامت کے روز اس عورت کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا جو شوہر کی ناشکر گزار ہوگی حالانکہ عورت کسی وقت بھی شوہر سے بے نیاز نہیں ہو سکتی۔“ (نسائی)

⑥ شوہر کی خدمت کر کے خوشی محسوس کیجئے اور جہاں تک ہو سکے خود تکلیف اٹھا کر شوہر کو آرام پہنچائیے اور ہر طرح اس کی خدمت کر کے اس کا دل اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کیجئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھ سے

نبی ﷺ کے کپڑے دھوتیں، سر میں تیل لگاتیں، سنگھا کرتیں، خوشبو لگاتیں اور یہی حال دوسری صحابیہ خواتین کا بھی تھا۔

ایک بار نبی ﷺ نے فرمایا:

”کسی انسان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے انسان کو سجدہ کرے۔ اگر اس کی اجازت ہوتی تو بیوی کو حکم دیا جاتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے شوہر کا اپنی بیوی پر عظیم حق ہے اتنا عظیم حق کہ اگر شوہر کا سارا جسم زخمی اور اور بیوی شوہر کے زخمی جسم کو زبان سے چاٹے تب بھی شوہر کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔“ (مسند احمد)

شوہر کے گھر بار اور مال و اسباب کی حفاظت کیجئے، شادی کے بعد شوہر کے گھر ہی کو اپنا گھر سمجھئے اور شوہر کے مال کو شوہر کے گھر کی رونق بڑھانے، شوہر کی عزت بنانے اور اس کے بچوں کا مستقبل سنوارنے میں کسبت اور کفایت و سلیقے سے خرچ کیجئے، شوہر کی ترقی اور خوشحالی کو اپنی ترقی اور خوشحالی سمجھئے۔ قریش کی عورتوں کی تعریف کرتے ہوئے نبی ﷺ نے فرمایا:

”قریش کی عورتیں کیا ہی خوب عورتیں ہیں، بچوں پر نہایت مہربان ہیں، اور شوہر کے گھر بار کی انتہائی حفاظت کرنے والی ہیں۔“ (بخاری)

اور نبی اکرم ﷺ نے نیک بیوی کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے فرمایا:

”مومن کے لیے خوفِ الہی کے بعد سب سے زیادہ مفید اور باعثِ خیرِ نعمت، نیک بیوی ہے کہ جب وہ اس سے کسی کام کو کہے تو وہ خوش دلی سے انجام دے اور جب وہ اس پر نگاہ ڈالے تو وہ اس کو خوش کر دے اور جب وہ اس کے بھروسے پر قسم کھا بیٹھے تو وہ اس کی قسم پوری کر دے اور جب وہ کہیں چلا جائے تو وہ اس

کے پیچھے اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کرے اور شوہر کے مال و اسباب کی نگرانی میں شوہر کی خیر خواہ اور وفادار رہے۔“ (ابن ماجہ)

(۹) صفائی، سلیقہ اور آرائش و زیبائش کا بھی پورا پورا اہتمام کیجئے۔ گھر کو بھی صاف ستھرا رکھئے اور ہر چیز کو سلیقے سے سجائیے اور سلیقے سے استعمال کیجئے، صاف ستھرا گھر، قرینے سے سجے ہوئے صاف ستھرے کمرے، گھریلو کاموں میں سلیقہ اور سنگھڑپن، بناؤ سنگھار کی ہوئی بیوی کی پاکیزہ مسکراہٹ سے نہ صرف گھریلو زندگی، پیار و محبت اور خیر و برکت سے مالا مال ہوتی ہے، بلکہ ایک بیوی کے لیے اپنی عاقبت بنانے اور اللہ کو خوش کرنے کا بھی ذریعہ ہے۔

ایک بار حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بیوی سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ملاقات ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ ان کی بیوی نہایت سادہ کپڑوں میں ہیں اور کوئی بناؤ سنگھار بھی نہیں کیا ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بہت تعجب ہوا اور ان سے پوچھا: ”بی بی! کیا عثمان کہیں باہر سفر پر گئے ہوئے ہیں؟“

اس تعجب سے اندازہ کیجئے کہ سہاگنوں کا اپنے شوہروں کے لیے بناؤ سنگھار کرنا کیسا پسندیدہ فعل ہے۔

ایک بار ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں وہ اپنے ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہنے ہوئے تھیں، آپ ﷺ نے ان کو پہننے سے منع فرمایا تو کہنے لگیں: یا رسول اللہ! اگر عورت شوہر کے لیے بناؤ سنگھار نہ کرے گی تو اس کی نظروں سے گر جائے گی۔ (نسائی)

﴿ محبت کرنے والی عورت سے نکاح کرو: ﴾

عن معقل بن یسار قال: قال رسول الله ﷺ: «تَرْوُجُوا الْوُدُودَ الْوُلُودَ فَإِنِّي مُكَاتِرٌ بِكُمْ الْأُمَمَ»۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم ایسی عورت سے نکاح کرو جو اپنے

(مشکوٰۃ: ص ۲۶۷) خاوند سے محبت کرنے والی ہو اور زیادہ بچے پیدا کرنے والی ہو کیونکہ میں دوسری امتوں کے مقابلہ میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔“

منکوہہ عورت میں مذکورہ بالا دو صفتوں کو ساتھ ساتھ اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ اگر کسی عورت کے ہاں بچے تو بہت پیدا ہوتے ہوں مگر وہ اپنے خاوند سے محبت کم کرتی ہو تو اس صورت میں خاوند کو اس کی طرف رغبت کم ہوگی اور اگر کوئی عورت خاوند سے محبت تو بہت کرے مگر اس کے یہاں بچے زیادہ پیدا نہ ہوں تو اس صورت میں مطلوب حاصل نہیں ہوگا۔ اور مطلوب امت محمدیہ ﷺ کی کثرت ہے جو ظاہر ہے کہ زیادہ بچے ہونے کی صورت میں ممکن ہے۔ اگر مسلمان عورتوں کے ہاں زیادہ بچے ہوں گے تو امت میں کثرت ہوگی جو پیغمبر علیہ السلام کے نزدیک پسندیدہ اور مطلوب ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نکاح سے پہلے یہ کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ کون عورت اپنی آئندہ زندگی میں ان اوصاف کی حامل ثابت ہو سکتی ہے؟ تو اس کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ کسی خاندان و کنبہ کا عام مشاہدہ اس کی کسی عورت کے لیے ان صفتوں کا معیار بن سکتا ہے چنانچہ ان اکثر لڑکیوں میں یہ صفیتیں موجود ہو سکتی ہیں جن کے خاندان و قرابت داروں میں ان صفتوں کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے عام طور پر چونکہ اقرباء کے طبعی اوصاف ایک دوسرے میں سرایت کئے ہوتے ہیں اور عادت و مزاج میں کسی خاندان و کنبہ کا ہر فرد ایک دوسرے کے ساتھ یکسانیت رکھتا ہے اس لیے کسی خاندان کی لڑکی کے بارے میں اس کے خاندان کے عام مشاہدہ کے پیش نظر ان اوصاف کا اندازہ لگالینا کوئی مشکل نہیں ہے۔

بہر کیف اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ شوہر سے بہت زیادہ محبت کرنے والی اور بچے پیدا کرنے والی عورت سے نکاح کرنا مستحب ہے نیز یہ کہ زیادہ بچے ہونا بہتر اور پسندیدہ ہے کیونکہ اس سے آپ ﷺ کا مقصد (یعنی امت کی زیادتی

و کثرت کا فخر حاصل ہوتا ہے۔

ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہاں ”نکاح کرنے“ سے مراد یہ تعلیم دینا ہو کہ تمہاری جن بیویوں میں یہ اوصاف موجود ہوں ان کے ساتھ زوجیت کے تعلق کو ہمیشہ قائم رکھو اور اس بات کی کوشش کرو کہ آپس میں کبھی کوئی تفرقہ اور جدائی نہ ہو۔

کنواری سے نکاح کرنا زیادہ بہتر ہے:

عن عبدالرحمن بن سالم بن عتبہ بن عویم بن ساعدة الأنصاری عن أبيه عن جده، قال: قال رسول الله ﷺ: «عَلَيْكُمْ بِالْأَبْكَارِ فَإِنَّهُنَّ أَعْدَبُ أَفْوَاهًا وَأَتَقُّ أَرْحَامًا وَأَرْضَى بِالْيَسِيرِ» (مشکوٰۃ: ۲۶۷)

حضرت عبدالرحمن بن سالم بن عتبہ بن عویم بن ساعدہ انصاری اپنے والد حضرت سالم سے اور وہ عبدالرحمن کے دادا (یعنی حضرت عتبہ تابعی) سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تمہیں کنواری عورتوں سے نکاح کرنا

چاہئے کیونکہ وہ شیریں دہن ہوتی ہیں۔ (یعنی کنواری عورتیں شیریں زبان و خوش کلام ہوتی ہیں کہ وہ بدزبانی فحش گوئی میں مبتلا نہیں ہوتیں) اور زیادہ بچے پیدا کرنے والی ہوتی ہیں، نیز وہ تھوڑے پر بھی راضی رہتی ہیں۔ (یعنی تھوڑا مال و اسباب پانے پر بھی راضی رہتی ہیں۔)“ اس روایت کو ابن ماجہ نے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔

اس ارشاد گرامی کے ذریعہ کنواری عورتوں کی خصوصیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو یہ عورتوں میں نہیں پائی جاتیں مثلاً کنواری عورت زیادہ بچے پیدا کرنے کے قابل ہوتی ہے کیونکہ اس کے رحم میں حرارت زیادہ ہوتی ہے۔ اس لیے اس کا رحم مرد کا مادہ تولید بہت جلد قبول کر لیتا ہے۔ لیکن یہ چیز محض ظاہری اسباب کے درجہ کی ہے جو حکم الہی کے بغیر کوئی اہمیت نہیں رکھتی، کنواری عورتوں

کی ایک نفسیاتی خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ تھوڑے سے مال و اسباب پر بھی راضی و خوش رہتی ہیں، ان کا شوہر انہیں جو کچھ دیدیتا ہے اسی کو برضا و رغبت قبول کر لیتی ہیں اور اس پر قانع رہتی ہیں، کیونکہ وہ بیوہ عورت کی طرح پہلے کسی خاوند کا کچھ دیکھے ہوئے تو ہوتی نہیں کہ انہیں کمی بیشی کا احساس ہو اور وہ اپنے شوہر سے زیادہ مال و اسباب کا مطالبہ کریں۔

❁ نکاح کی ایک خصوصیت:

عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: «لَمْ تَرَ لِلْمُتَحَائِنِ مِثْلَ النِّكَاحِ». (مشکوٰۃ: ص ۲۶۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”(اے شخص) تو نے نکاح کی مانند ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی ہوگی جو دو محبت کرنے والوں کے درمیان محبت کو زیادہ کرے۔“

مطلب یہ ہے کہ نکاح کے ذریعہ جس طرح خاوند اور بیوی کے درمیان بغیر کسی قرابت کے بے پناہ محبت و الفت پیدا ہو جاتی ہے اس طرح کا کوئی تعلق ایسا نہیں ہے جو دو شخصوں کے درمیان جو ایک دوسرے کے لیے بالکل اجنبی ہوں اس درجہ کی محبت و الفت پیدا کر دے۔

❁ آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی فضیلت:

عن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: «مَنْ أَرَادَ أَنْ يَلْقَى اللَّهَ طَاهِرًا مُطَهَّرًا فَلْيَتَزَوَّجِ الْحَرَّائِرَ».

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اس بات کا خواہشمند ہو کہ وہ (زنا کی نجاست سے) پاکی کی حالت میں

اور پاکیزہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے تو اسے چاہئے کہ آزاد عورتوں سے نکاح کرے۔“

اس کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر آزاد عورتیں لونڈیوں کی بہ نسبت زیادہ پاک و پاکیزہ ہوتی ہیں اس لیے ان کی پاکی و پاکیزگی مخالفت و مباشرت کے

ذریعہ ان کے شوہروں میں سرایت کرتی ہے پھر یہ کہ آزاد عورتیں اپنی اولاد کو جو ادب و سلیقہ اور تہذیب سکھا سکتی ہیں وہ لونڈیوں کے بس کی بات نہیں ہے کیونکہ جب وہ خود ہی کمتر و پست حیثیت ہوتی ہیں تو اپنی اولاد کو ادب و تہذیب اور اخلاق و پاکیزگی سے کیسے مزین کر سکتی ہیں۔

❁ نیک بخت بیوی کی خصوصیت:

عن ابی امامۃ عن النبی ﷺ: «مَا اسْتَفَادَ الْمُؤْمِنُ بَعْدَ تَقْوَى اللَّهِ خَيْرًا لَهُ مِنْ زَوْجَةٍ صَالِحَةٍ إِنْ أَمَرَهَا أَطَاعَتْهُ وَإِنْ نَظَرَ إِلَيْهَا سَرَّتْهُ وَإِنْ أَقْسَمَ عَلَيْهَا أَبْرَتْهُ وَإِنْ غَابَ عَنْهَا نَصَحَتْهُ فِي نَفْسِهَا وَمَالِهَا»۔ (مشکوٰۃ: ۲۶۸)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”مومن بندہ اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کے بعد جو سب سے بہتر چیز اپنے لیے منتخب کرتا ہے وہ نیک بخت و خوب صورت بیوی ہے ایسی بیوی کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر (شوہر) اس کو کوئی حکم دیتا ہے تو وہ اس کی تعمیل کرتی ہے جب وہ اس کی طرف دیکھتا ہے تو وہ (اپنے حسن اور پاکیزگی اور اپنی خوش سلیقگی و پاک سیرتی سے) اس کا دل خوش کرتی ہے جب وہ اس کو قسم دیتا ہے تو وہ اس قسم کو پورا کرتی ہے اور جب اس کا خاوند موجود نہیں ہوتا تو وہ اپنے نفس کے بارہ میں (یہ) خیر خواہی کرتی ہے۔ (کہ اس کو ضائع و خراب ہونے سے بچاتی ہے اور اس میں کوئی خیانت نہیں کرتی۔)“

نکاح آدھا دین ہے:

عن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: «إِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ فَقَدْ اسْتَكْمَلَ نِصْفَ الدِّينِ فَلْيَتَّقِ اللَّهَ فِي النِّصْفِ الْبَاقِي»۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس بندہ نے نکاح کیا اس نے اپنا آدھا دین پورا کر لیا۔ اب اسے چاہئے کہ باقی

(مشکوٰۃ: ص ۲۶۸) آدھے کے بارے میں اللہ سے ڈرے۔“

انسان کے جسم میں دو چیزیں ایسی ہیں جو عام طور پر دین میں فساد و نقصان کا سبب بنتی ہیں، یعنی شرمگاہ اور پیٹ، لہذا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی شخص نے نکاح کر کے شرمگاہ کے فتنہ و فساد سے نجات پالی تو اب اسے چاہئے کہ پیٹ کے فتنہ و فساد کو دور کرنے کے بارے میں اللہ سے ڈرتا رہے، یعنی حلال کمائی اور حلال رزق ہی کے ذریعہ اپنا اور اپنے اہل و عیال کا پیٹ بھرے تاکہ دین کی بھلائی پوری حاصل ہو۔

❦ کونسا نکاح بابرکت ہے؟

عن عائشة قالت: قال النبي ﷺ: «إِنَّ أَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُهُ مَوْنَةً»۔ (مشکوٰۃ: ص ۲۶۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”بلاشبہ بہت زیادہ برکت والا نکاح وہ ہے جو محنت کے لحاظ سے آسان ہو۔“

”محنت کے لحاظ سے آسان نکاح“ سے مراد وہ نکاح ہے جس میں بیوی کا مہر کم ہو اور عورت زیادہ مال و اسباب اور حیثیت سے زیادہ ضروریاتِ زندگی (یعنی روٹی کپڑا) طلب کر کے مرد کو پریشان نہ کرے، بلکہ شوہر کی طرف سے جو کچھ اور جیسا کیسا مل جائے، برضا و رغبت اسی پر قانع رہے۔

❦ لڑکی کے بالغ ہوتے ہی اس کا نکاح کر دو:

عن عمر بن الخطاب و أنس بن مالك عن رسول الله ﷺ قال: «فِي التَّوْرَةِ مَكْتُوبٌ مَنْ بَلَغَتْ ابْنَتُهُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ سَنَةً وَلَمْ يَزُوجْهَا فَأَصَابَتْ إِثْمًا فَإِذَا نِمَّ

حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما جناب رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تورات میں لکھا ہوا ہے کہ جس شخص کی لڑکی کی

ذَلِكَ عَلَيْهِ». (مشکوٰۃ: ص ۲۷۱) عمر بارہ سال کی ہو جائے اور وہ (کفو پانے کے باوجود) اس کا نکاح نہ کرے اور پھر وہ لڑکی برائی (یعنی بدکاری وغیرہ) میں مبتلا ہو جائے تو اس کا گناہ اس کے باپ پر ہے۔“

عورت کو مارنے کی ممانعت:

عن عبد الله بن زَمْعَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «لَا يَجْلِدُ أَحَدُكُمْ امْرَأَتَهُ جَلْدَ الْعَبْدِ ثُمَّ يَجَامِعُهَا فِي آخِرِ الْيَوْمِ». وَفِي رَوَايَةٍ: «يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ يَجْلِدُ امْرَأَتَهُ جَلْدَ الْعَبْدِ فَلَعَلَّهُ يَضَاجِعُهَا فِي آخِرِ يَوْمِهِ». ثُمَّ وَعَظَهُمْ فِي ضَحِكِهِمْ مِنَ الضَّرْطَةِ فَقَالَ: «لِمَ يَضْحَكُ أَحَدُكُمْ مِمَّا يَفْعَلُ». (مشکوٰۃ: ص ۲۸۰)

حضرت عبد اللہ بن زعمہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کوئی شخص اپنی بیوی کو غلام کی طرح (بے رحمی سے) نہ مارے اور پھر دن کے آخری حصہ میں اس سے جماع کرے۔“ ایک روایت میں یوں ہے کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) ”تم میں سے ایک شخص ارادہ کرتا ہے اور اپنی بیوی کو غلام کی طرح مارتا ہے حالانکہ (یہ نہیں سوچتا کہ) شاید وہ

اسی دن کے آخری حصہ میں اس سے ہم بستر ہو۔“ پھر آپ ﷺ نے ریح خارج ہونے پر ہنسنے والوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ”تم میں سے کوئی شخص اس چیز پر کیوں ہنستا ہے جس کو وہ خود بھی کرتا ہے۔“

”اور پھر دن کے آخری حصہ میں اس سے جماع کرے۔“ اس کے ذریعہ آپ ﷺ نے ایک بڑا نفسیاتی نکتہ بیان فرمایا کہ جو شخص اپنی بیوی سے جنسی لذت حاصل کرتا ہے اس کے لیے یہ بات کس طرح مناسب ہو سکتی ہے کہ ایک طرف تو اس کے ساتھ ایسا پر کیف معاملہ ہو اور دوسری طرف اس کے ساتھ اتنا وحشیانہ اور بیدردانہ سلوک کرے؟ اگرچہ اپنی بیوی کو اس کی مسلسل نافرمانی اور سرکشی پر مارنے کی اجازت ہے لیکن اس طرح نہیں کہ غلاموں کی طرح

بیدردی سے اسے مارا پیٹا جائے یہ ایک غیر شرعی فعل ہی نہیں ہے بلکہ ایک انتہائی غیر انسانی اور غیر مہذب حرکت بھی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنی بیوی کے ساتھ پیار و محبت اور اتفاق و سلوک کے ساتھ رہنا چاہئے۔

حدیث کے آخری جزو کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا کسی ایسی عجیب بات پر ہنسنا تو اچھا معلوم ہوتا ہے جو عام طور پر نہ پائی جاتی ہو لیکن جب ایک چیز خود اپنے اندر موجود ہے تو پھر جب وہ کسی دوسرے سے سرزد ہوتی ہے تو اس پر ہسنے کا کیا موقع ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص کی ہوا خارج ہو جائے تو اس سے تغافل کیا جائے تاکہ وہ شخص نجاست اور شرمندگی محسوس کر کے کبیدہ خاطر نہ ہو۔

اس سلسلہ میں یہ سبق آموز واقعہ پڑھنے کے قابل ہے کہ ایک بہت بڑے عالم گزرے ہیں جن کا نام عاصم تھا یہ اگرچہ حقیقت میں بہرے نہیں تھے لیکن انہوں نے دنیا کی نظروں میں اپنے آپ کو بہرا بنا رکھا تھا جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دن ایک عورت کوئی مسئلہ پوچھنے کے لیے ان کے پاس آئی جب وہ ان سے مسئلہ پوچھ رہی تھی تو اسی اثناء میں اس کی ہوا خارج ہو گئی۔ عاصم نے سوچا کہ یہ عورت ذات ہے اب یہ بہت زیادہ شرمندگی و نجاست محسوس کر رہی ہو گی لہذا انہوں نے اس کی شرمندگی و نجاست دور کرنے کے لیے کہا کہ ذرا زور سے کہو کیا کہہ رہی ہو؟ گویا انہوں نے یہی ظاہر کیا کہ میں اونچا سنتا ہوں وہ عورت بڑی خوش ہوئی اس نے جانا کہ یہ تو بہرے ہیں انہوں نے کچھ سنا ہی نہیں اور اس طرح اس کی شرمندگی دور ہو گئی، مگر عاصم نے پھر اپنی اس بات کو نباہنے کے لیے اپنے آپ کو ہمیشہ بہرا بنائے رکھا۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ تنبیہ پوشیدہ ہے کہ ہر عقلمند انسان کو چاہئے کہ جب وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کی عیب گیری کا ارادہ کرے تو اپنے دل میں سوچے کہ آیا یہ عیب یا اسی طرح کا کوئی اور عیب میری ذات میں بھی موجود ہے یا نہیں؟ اگر وہ اپنے آپ کو کسی عیب سے پاک نہ پائے تو پھر اس

کے لیے اس مسلمان بھائی کی عیب گیری سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ اپنے آپ کو اس عیب سے پاک کرنے پر توجہ دے۔ کسی مرد دانے کیا خوب کہا ہے کہ: ”میں اکثر لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ دوسروں کے عیوب کو تو دیکھ لیتے ہیں، لیکن خود ان کے اندر جو عیب ہیں ان سے وہ اندھے ہیں۔“

❦ اپنی بیوی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو:

عن عائشة قالت: كُنْتُ أَلْعَبُ بِالْبَنَاتِ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ وَكَانَ لِي صَوَاحِبٌ يَلْعَبْنَ مَعِيَ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا دَخَلَ يَنْقِمَعْنَ مِنْهُ فَيَسْرِبُهُنَّ إِلَيَّ. (مشکوٰۃ: ص ۲۸۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ (جب میں چھوٹی تھی اور میری شادی کا ابتدائی دور تھا تو) میں رسول کریم ﷺ کے ہاں گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی اور میری بھجولیاں بھی میرے ساتھ کھیلتی تھیں اور پھر جب رسول کریم ﷺ (گھر میں) تشریف لاتے تو میری بھجولیاں (شرم کی وجہ سے) آپ ﷺ سے چھپ جاتی تھیں، لیکن آپ ﷺ ان کو میرے پاس بھیج دیا کرتے تھے۔

❦ رسول اللہ ﷺ کا اپنی بیویوں کے ساتھ حسن معاشرت:

عن عائشة أنها كانت مع رسول الله ﷺ فِي سَفَرٍ، قَالَتْ: فَسَابَقْتُهُ فَسَبَقْتُهُ عَلَى رَجُلِي. فَلَمَّا حَمَلْتُ اللَّحْمَ فَسَابَقْتُهُ فَسَبَقَنِي. قَالَ: «هَذِهِ بَيْتُكَ السَّبْقَةُ». (مشکوٰۃ: ص ۲۸۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو ایک سفر میں رسول کریم ﷺ کے ہمراہ تھیں، کہتی ہیں کہ (اس سفر میں ایک موقع پر) میں آپ ﷺ کے ساتھ اپنے پیروں کے ذریعہ دوڑی (یعنی ہم دونوں نے دوڑ میں باہم مقابلہ کیا)

اور میں آپ ﷺ سے آگے نکل گئی، پھر جب میں (عرصہ دراز کے بعد) فربہ ہو گئی تو پھر ہم دونوں کی دوڑ ہوئی اور اس مرتبہ آپ ﷺ مجھ سے آگے نکل گئے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ”اس مرتبہ میرا آگے نکل جانا پہلی مرتبہ تمہارے

آگے نکل جانے کے بدلہ میں ہے۔“ (یعنی پہلی مرتبہ تم جیت گئی تھیں اس مرتبہ میں جیت گیا لہذا دونوں برابر رہے)۔

”اپنے پیروں کے ذریعہ“ سے اس بات کو مؤکد کرنا مقصود ہے کہ میں کسی سواری پر بیٹھ کر نہیں دوڑی تھی بلکہ اپنے پیروں پر دوڑی تھی چنانچہ طبی نے یہی فرمایا ہے کہ اس جملہ سے تاکید مقصود ہے جیسا کہ کوئی یوں کہے میں نے اپنے ہاتھ سے لکھا۔ یا میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا۔

یہ روایت اپنی بیویوں کے ساتھ آپ ﷺ کے حسن معاشرت کی ایک مثال ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اپنی ازواج کے ساتھ ایک پُرسرت اور خوشگوار زندگی بسر کرتے تھے اور اپنی بیویوں کے حق میں انتہائی مہربان اور ہنس مکھ تھے۔ نیز اس روایت میں امت کے لیے بھی یہ سبق ہے کہ اپنی عائلی زندگی میں آپ ﷺ کے اس حسن معاشرت کی پیروی کی جائے اور اپنی بیویوں کے ساتھ ہنسی خوشی اور باہمی پیار و محبت کے ساتھ رہا جائے۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ سباق یعنی باہمی دوڑ وغیرہ کا مقابلہ چار چیزوں میں جائز ہے، اوٹ میں، گھوڑے خچر میں، تیر اندازی میں اور پیادہ پا چلنے دوڑنے میں۔ نیز یہ مقابلہ کسی شخص کا اگر کسی شرط کے ساتھ ہو تو وہ ایسی صورت میں جائز ہوگا جبکہ دونوں مقابل میں سے صرف ایک طرف سے شرط ہو، یعنی مثلاً زید اور بکر کے درمیان مقابلہ ہو اور زید بکر سے یہ کہے کہ اگر میں جیت گیا تو میں اتنے روپیہ یا فلاں چیز لے لوں گا۔ اور اگر میرے مقابلہ میں تم جیت گئے تو تمہیں کچھ نہیں ملے گا اور اگر دونوں طرف سے شرط ہو، یعنی دونوں مقابل ایک دوسرے کے ساتھ یہ شرط کریں کہ ہم دونوں میں سے جو بھی جیت جائے گا اسے اتنے روپیہ یا فلاں چیز ملے گی تو یہ حرام ہے۔ کیونکہ یہ جوا ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر دونوں مقابل ایک مخلل کو (یعنی دونوں کی شرط حلال کرانے والے ایک تیسرے شخص کو اپنے میں شامل کریں تو اس صورت میں دونوں طرف سے شرط بھی جائز ہو جائے گی)

”اپنے میں شامل کرنے“ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً زید اور بکر آپس میں یہ شرط کریں کہ ہماری باہمی دوڑ میں ہم دونوں میں سے جو بھی آگے نکل جائے گا تو اتنے روپے یا فلاں چیز اسے مل جائے گی اور اس کے ساتھ ہی وہ ایک تیسرے شخص مثلاً خالد کو بھی اپنی دوڑ میں شامل کر لیں اور یہ طے ہو جائے کہ اگر یہ تیسرا شخص یعنی خالد آگے نکل جائے گا۔ تو اسے کچھ نہیں ملے گا۔ لہذا یہ صورت جائز ہے اور حلال ہے، لیکن جائز ہونے کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس کے نتیجے میں جیتنے والے کو جو چیز ملے گی وہ اس کے حق میں حلال اور طیب مال ہوگا۔ نہ یہ کہ وہ اس چیز کا شرعی طور پر کوئی استحقاق رکھے گا، کیونکہ شریعت کی نظر میں جیتنے والا محض اس مقابلہ سے اس روپیہ پر کوئی قانونی حق نہیں رکھتا، دوڑ کے انعامی مقابلے جائز ہیں، یعنی کسی فرد یا ادارہ کی طرف سے بطور انعام کچھ روپے یا کوئی چیز مقرر کر کے دوڑنے والوں سے کہا جاتا ہے کہ تم میں سے جو شخص بھی آگے نکل جائے گا اسے یہ روپے یا چیز دی جائے گی، فقہاء نے اسے جائز کہا ہے۔

❦ **شوال کے مہینے میں نکاح کرنا مستحب ہے:**

عن عائشة قالت: تزوجني رسول الله ﷺ في شوال وبني بني في شوال، فأبى رسول الله ﷺ أن أحظلي عنده مني. (مشکوٰۃ: ص ۲۷۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھ سے شوال کے مہینے میں نکاح کیا اور پھر (تین سال کے بعد) شوال ہی کے مہینے میں مجھے رخصت کرا کر اپنے گھر لائے۔ اب (تم ہی بتاؤ) رسول کریم ﷺ کی ازواج مطہرات میں کون سی زوجہ مطہرہ مجھ سے زیادہ خوش نصیب تھی؟

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض جاہل لوگ شوال کے مہینے میں شادی بیاہ کرنے کو منحوس سمجھتے ہیں وہ بالکل غلط ہے بلکہ اس مہینے میں شادی بیاہ کرنا یا دلہن کو رخصت کرا کر اپنے گھر لانا مستحب ہے۔ چنانچہ عرب میں بھی زمانہ

جاہلیت کے لوگ یہی عقیدہ رکھتے تھے اور شوال میں نکاح کرنے اور دلہن کو گھر میں لانے کو برا سمجھتے تھے، اسی غلط عقیدہ کی تردید میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات فرمائی کہ اگر شوال کے مہینہ میں شادی بیاہ کرنا اپنے اندر کوئی نحوست رکھتا ہے تو پھر آخر میری شادی میرے حق میں منحوس کیوں نہیں رہی، جبکہ شوال ہی کے مہینہ میں میرا نکاح ہوا اور شوال ہی کے مہینہ میں رخصت کرا کر میں آپ ﷺ کے گھر آئی اور اس بات کو دنیا جانتی ہے کہ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات میں جو خوش نصیبی اور آپ ﷺ کی محبت مجھے نصیب ہوئی وہ کسی بھی زوجہ کو حاصل نہیں ہوئی۔

اب شیعہ لوگ بھی محرم میں شادی بیاہ نہیں کرتے، ان کے دیکھا دیکھی اہل سنت بھی اس مہینہ میں شادی کرنے سے گریز کرتے ہیں، حالانکہ یہ خیال بالکل غلط ہے شادی کے لیے کوئی دن یا مہینہ نامبارک یا منحوس نہیں ہے۔

﴿ رسول اللہ ﷺ سے نکاح کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر:

عن عائشة أنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَزَوَّجَهَا وَهِيَ بِنْتُ سَبْعِ سِنِينَ وَزُقْتُ إِلَيْهِ وَهِيَ بِنْتُ تِسْعِ سِنِينَ وَلَعَبَهَا مَعَهَا وَمَاتَ عَنْهَا وَهِيَ بِنْتُ ثَمَانِي عَشْرَةَ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے اس وقت نکاح کیا جبکہ ان کی عمر سات سال کی تھی اور جب وہ آپ ﷺ کے گھر بھیجی گئیں تو ان کی عمر نو سال کی تھی اور ان کے (کھیلنے کے

(مشکوٰۃ: ص ۲۷۰)

لیے) کھلونے) لان کے ساتھ تھے اور جب آپ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہمیشہ کے لیے جدا ہوئے تو اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی۔

یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ابتدائی زندگی کے تین اہم موڑ اور آپ ﷺ کے ساتھ ان کی رفاقت کی مدت کو ظاہر کرتی ہے۔ چنانچہ سات سال کی عمر

میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کی زوجیت میں آئیں، نو سال کی عمر میں رخصت ہو کر آستانہ نبوت میں لائی گئیں۔ اور نو سال کی رفاقت کے بعد جبکہ ان کی عمر صرف اٹھارہ سال کی تھی، آپ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔

نو سال کی عمر بچپن کی عمر ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب آپ ﷺ کے ہاں تشریف لائیں تو ان کے ساتھ وہ کھلونے بھی آئے جن سے وہ اپنے گھر میں کھیلا کرتی تھیں اور یہ کھلونے بھی کیا تھے وہ گڑیاں تھیں جو عام طور پر بچیوں کا سب سے محبوب کھلونا ہوتی ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے جب ان گڑیوں کو دیکھا تو ان پر اظہارِ ناپسندیدگی نہیں کیا، لہذا اس سے یہ معلوم ہوا کہ گڑیوں کا بنانا جائز ہے۔ اور بچیوں کو گڑیوں سے کھیلنا مباح ہے، اس کا سبب علماء نے یہ لکھا ہے کہ گڑیوں سے کھیلنا دراصل بچیوں کے لیے ایک سبق بھی ہے جس سے وہ اولاد کی پرورش، سینا پر ونا اور گھر کی اصلاح و انتظام کی تربیت حاصل کرتی ہیں۔ تاہم اس بارہ میں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہ واقعہ ابتداء ہجرت کا ہے اور اس وقت تک تصویر کی حرمت نازل نہیں ہوئی ہوگی، جبکہ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان ساتھ جو گڑیاں لے کر آئی تھیں ان میں صورتیں نہیں ہوتی تھیں، جو تصویروں میں ہوتی ہیں اور حرام ہیں، بلکہ کپڑوں اور چیتھڑوں کو لپیٹ کر بغیر صورتوں کے یوں ہی بنائی گئی تھیں۔

اپنے اہل و عیال کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا بہترین شخص ہے:

عن عائشۃ قالت: قال رسول اللہ ﷺ: «خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي وَإِذَا مَاتَ صَاحِبُكُمْ فَدَعُوهُ».

(مشکوٰۃ: ص ۲۸۱)

اپنے اہل کے حق میں تم میں سے بہتر ہوں (یعنی اپنے اہل و عیال میں جتنا بہتر

سلوک میں کرتا ہوں اتنا بہتر سلوک تم میں سے کوئی بھی نہیں کرتا) اور جب تمہارا صاحب مر جائے تو اس کو چھوڑ دو۔“

حدیث کے پہلے جزو کے معنی یہ ہیں کہ اللہ اور اللہ کی مخلوق کے نزدیک تم میں بہتر شخص وہ ہے جو اپنی بیوی اپنے بچوں اور اپنے عزیز واقارب اور اپنے خدمتگاروں و ماتحتوں کے ساتھ بھلائی اور اچھا سلوک کرتا ہے کیونکہ اس کا بھلا اور اچھا سلوک کرنا اس کی خوش اخلاقی و خوش مزاجی پر دلالت کرتا ہے۔

”اور جب تمہارا صاحب مر جائے..... الخ“ کا مطلب یہ ہے کہ جب تمہارا کوئی عزیز ورشتہ دار یا دوست وغیرہ مر جائے تو اس کی برائیوں کو ذکر کرنا چھوڑ دو۔ گویا اس جملہ کے ذریعہ یہ تعلیم مقصود ہے کہ جو لوگ اس دنیا سے اٹھ چکے ہیں ان کی غیبت نہ کرو۔ جیسا کہ ایک روایت میں اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ ”اپنے مرے ہوئے لوگوں کو بھلائی کے ساتھ یاد کرو۔“ یعنی صرف ان کی خوبیاں ہی ذکر کرو ان کی برائیوں کا تذکرہ نہ کرو۔“

بعض علماء نے اس جملہ کی یہ مراد بیان کی ہے کہ ”جب کوئی شخص مر جائے تو اس کی محبت اور اس کی موت پر رونا دھونا چھوڑ دو۔ اور یہ سمجھ لو کہ اب اس کے ساتھ تمہارا کوئی جسمانی تعلق باقی نہیں رہا ہے۔“

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس جملہ میں ”صاحب“ سے اپنی ذات مبارک مراد رکھی ہے جس کا مطلب امت کو یہ تلقین کرنا ہے کہ جب میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو تم تاؤف اور تحیر و اضطراب کا اظہار نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارا کارساز ہے جس ذات پاک نے میری حیات کو تمہاری ہدایت و سعادت کا ذریعہ بنایا تھا اسی ذات پاک میرے انتقال کے بعد بھی تمہیں اسی ہدایت و سعادت پر قائم رکھے گی۔

بعض حضرات نے اس جملہ کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ ”جب میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو تم مجھے چھوڑے رکھنا بایں معنی کہ میرے اہل بیت“

میرے صحابہ رضی اللہ عنہم اور میری شریعت کے متبعین یعنی علماء و اولیاء کو ایذا پہنچا کر مجھے ایذا پہنچانے کا سبب نہ بننا کیونکہ اگر تم انہیں تکلیف و ایذا پہنچاؤ گے تو ان کی تکلیف سے مجھے تکلیف پہنچے گی۔

﴿فرمانبرداری بیوی کو جنت کی بشارت:﴾

عن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: «الْمَرْأَةُ إِذَا صَلَّتْ خَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَأَحْصَتْ فَرْجَهَا وَأَطَاعَتْ بَعْلَهَا فَلْتَدْخُلْ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَتْ». (مشکوٰۃ: ص ۲۸۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”جس عورت نے پانچوں وقت کی نماز پڑھی، رمضان کے روزے رکھے، اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی (یعنی فواحش اور بری باتوں سے اپنے نفس کو محفوظ رکھا)

اور اپنے خاوند کی (ان چیزوں میں) فرمانبرداری کی (جن میں فرمانبرداری کرنا اس کے لیے ضروری ہے) تو (اس عورت کے لیے یہ بشارت ہے کہ) وہ جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔“

﴿اگر غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو خاوند کو بیوی کا مسجود قرار دیا جاتا:﴾

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: «لَوْ كُنْتُ أَمْرًا أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا». (مشکوٰۃ: ص ۲۸۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر میں کسی کو یہ حکم کر سکتا کہ وہ کسی (غیر اللہ) کو سجدہ کرے تو میں یقیناً عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔“

مطلب یہ ہے کہ ربّ معبود کے علاوہ اور کسی کو سجدہ کرنا درست نہیں ہے اگر کسی غیر اللہ کو سجدہ کرنا درست ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرنے کیونکہ بیوی پر اس کے خاوند کے بہت زیادہ حقوق ہیں جن کی

ادائیگی شکر سے وہ عاجز ہے۔ گویا اس ارشاد گرامی میں اس بات کی اہمیت و تاکید کو بیان کیا گیا ہے کہ بیوی پر اپنے شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری واجب ہے۔

شوہر کی خوشنودی کی اہمیت:

عن أم سلمة قالت: قال رسول الله ﷺ: «أَيُّمَا امْرَأَةٍ مَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخَلَتْ الْجَنَّةَ». (مسئله: ص ۲۸۱)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”جو عورت اس حال میں مرے کہ اس کا شوہر اس سے راضی و خوش ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔“

جو شوہر عالم متقی ہو اس کی رضا مندی و خوشنودی کا یہ اجر بیان کیا گیا ہے۔ فاسق و جاہل شوہر کی رضا مندی و خوشنودی کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

عن طلق بن علی قال: قال رسول الله ﷺ: «إِذَا الرُّجُلُ دَعَا زَوْجَتَهُ لِحَاجَّتِهِ فَلْتَاتِهِ وَإِنْ كَانَتْ عَلَى التُّورِ». (مسئله: ص ۲۸۱)

حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”جب کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنی حاجت پوری کرنے کے لیے (یعنی جماع کے لیے) بلائے تو بیوی کو شوہر کے پاس پہنچ جانا چاہئے اگرچہ وہ تور پر ہو۔“

”اگرچہ وہ تور پر ہو۔“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر بیوی کسی ضروری کام میں مشغول ہو اور کسی چیز کے نقصان کا احتمال بھی ہو تب بھی شوہر کی اطاعت کی جائے اور اس کے بلائے پر فوراً اس کے پاس پہنچ جانا چاہئے۔ مثلاً بیوی تور پر ہو اور روٹی تور میں ڈال رکھی ہو اور اسی حالت میں شوہر جماع کے لیے بلائے تو اس بات کی پرواہ کئے بغیر کہ آٹے روٹی کا نقصان ہو جائیگا شوہر کے حکم کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اس کے پاس پہنچ جائے۔

بیوی کتنی ہی ضروری کام میں کیوں نہ لگی ہو جب شوہر بلائے تو اس کی طرف متوجہ ہو جانا اور اس کے پاس پہنچ جانا چاہئے۔ حدیث میں حاجت کا لفظ

استعمال ہوا ہے جو جنسی ضرورت کو شامل ہے۔ یہاں تک حکم ہے کہ شوہر کی اجازت کے بغیر نہ تو بیوی کو نفل نمازیں پڑھنی چاہئیں اور نہ نفل روزے رکھنے چاہئیں اور فرض نمازیں بھی لمبی اور دیر تک نہیں پڑھنا چاہئے۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ میں یہ حدیث روایت کی گئی ہے:

صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کی بیوی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ شکایت لے کر آئیں کہ میرے شوہر مجھے نماز پڑھنے پر مارتے ہیں روزہ رکھتی ہوں تو تڑوا دیتے ہیں اور خود فجر کی نماز سورج نکلنے کے بعد پڑھتے ہیں۔ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کہ حقیقت کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ جب یہ نمازیں شروع کرتی ہیں تو دو بڑی سورتیں ایک ایک رکعت میں پڑھتی ہیں میں نے بار بار منع کیا ہے لیکن یہ نہیں مانتیں اس پر میں ان کو مارتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتون سے فرمایا کہ ایک چھوٹی سورت سے بھی نماز ہو جاتی ہے۔ پھر حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب یہ نفل روزے رکھتی ہیں تو مسلسل رکھتی چلی جاتی ہیں اور میں ایک نوجوان آدمی ہوں اس لیے روزہ تڑوا دیتا ہوں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی عورت نفل روزہ بغیر شوہر کی اجازت کے نہ رکھا کرے۔ فجر کی نماز تاخیر سے پڑھنے کی وجہ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے یہ پیش کی کہ وہ جو محنت مزدوری کرتے ہیں اس میں رات گئے تک مصروف رہنا پڑتا ہے اس لیے صبح اٹھنے میں دیر ہو جاتی ہے۔ (مشکوٰۃ: ص ۲۸۲)

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ شوہر کی اطاعت اس حد تک ضروری ہے جس میں اللہ کی نافرمانی لازم نہ آئے، نفل نماز یا نفل روزہ چھوڑ دینے میں اللہ کی نافرمانی نہیں ہوتی، اسی طرح فرض نماز بھی چھوٹی سورتیں پڑھنے سے ادا ہو جاتی

ہے، البتہ جہاں معصیت کی بات ہو اور احکام شریعت کی پامالی ہوتی ہو ایسے تمام برے کام کرنے سے صاف انکار کر دینا ضروری ہے۔ خواہ شوہر خوش ہو یا ناخوش اس کے تعلقات اچھے رہیں یا برے۔ کیونکہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

«لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ». (مشکوٰۃ: ص.....)

”جس بات میں خالق کی نافرمانی ہو اس میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں کرنی چاہئے۔“

❦ ضروریات زندگی کی طلب میں اعتدال:

عورتوں کو بے ضرورت تزئین و آرائش سے اس لیے روک دیا گیا ہے کہ بے جا طلب اور اسراف کی بیخ کنی کی جائے۔ جاہلی عرب عورتیں سر کے بالوں کو خوبصورت بنانے کے لیے کچھ خارجی بال لگالیا کرتی تھیں اس بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا «فإنه زور تزید فیہ»۔ یہ ایک طرح کا جھوٹ ہے جو بالوں میں بڑھالیا جاتا ہے۔ اسی جھوٹ اور فریب دہی کی بنیاد پر گودنے گدوانے چہرے کے روئیں صاف کرنے، حد سے زیادہ تراش خراش کرنے، دانتوں کو چمکیلا بنانے سے منع کیا گیا ہے۔ (مسند احمد)

حدیث میں ایسی عورت سے نکاح کی ترغیب دی گئی ہے جو دین و اخلاق پر کاربند ہوتے ہوئے کم سے کم ضروریات زندگی پر قانع ہو قرآن مجید میں ازواج مطہرات کو مخاطب کرتے ہوئے اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

❦ احسان شناسی:

عورتوں میں ایک عام کمزوری یہ ہے کہ ذرا سی بدسلوکی پر عمر بھر کے حسن سلوک کو بھلا کر صرف اس کی بدسلوکی کو یاد کرتی اور یاد دلاتی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ زیادہ تر دوزخ میں ڈالی جانے والی عورتیں وہ ہوں گی جو ناشکری کی وجہ سے عذاب کی مستحق ہوں گی۔ «یکفرون العشیر» یعنی وہ عورتیں جو اپنے شوہروں کی ناشکری کرتی ہیں۔ اس حدیث میں یہ ہدایت عورتوں کے لیے ہے

کہ وہ شوہروں کے ساتھ شکرگزاری اور احسان شناسی کا رویہ اختیار کریں، شوہر اپنی محنت سے جو کچھ کما کر دے سکے اسے اللہ کا شکر ادا کر کے خوش دلی سے قبول کریں، البتہ اگر شوہر تن آسانی کی وجہ سے بیوی کے جائز حقوق ادا نہیں کرتا تو اس کی ملامت احسان ناشناسی نہیں ہوگی۔

شوہر کو تکلیف مت پہنچاؤ:

عن معاذ عن النبی ﷺ قال: «لَا تُؤْذِي امْرَأَةً زَوْجَهَا فِي الدُّنْيَا إِلَّا قَالَتْ زَوْجَتُهُ مِنَ الْحُورِ الْعِينِ: لَا تُؤْذِيهِ قَاتِلُكَ اللَّهُ فَإِنَّمَا هُوَ عِنْدَكَ دَحِيلٌ يُوْشِكُ أَنْ يُفَارِقَكَ إِلَيْنَا» (مشکوٰۃ: ص ۲۸۱)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب کوئی عورت دنیا میں اپنے شوہر کو تکلیف پہنچاتی ہے تو اس کی (جنت والی) بیوی یعنی ہوری آ نکھوں والی حور کہتی ہے کہ تجھ پر اللہ کی مار پڑے (یعنی اللہ تجھے جنت

اور اپنی رحمت سے دور رکھے) اپنے شوہر کو تکلیف نہ پہنچا۔ کیونکہ وہ (دنیا میں) تیرا مہمان ہے جو جلد ہی تجھ سے جدا ہو کر ہمارے پاس (جنت میں) آ جائے گا۔“

ایلاء

اصطلاح شرع میں اپنی عورتوں سے تعلق نہ رکھنے کی قسم کھا بیٹھنے کو ایلاء کہتے ہیں چنانچہ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

«لِّلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَاءِهِمْ تَرْبُصُ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ فَإِنْ فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (۲۳۶) وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ

”جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلاء کرتے ہیں انہیں چار مہینے کی مہلت ہے۔ اگر وہ قسم سے رجوع کر لیں تو اللہ معاف کرنے والا اور رحم کرنے

(البقرة) عَلِيمٌ ۲۲۷

والا ہے اگر طلاق ہی کا پکا ارادہ کر لیا
ہے تو اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔“

ایلاء کرنے کا جو رواج اہل عرب میں تھا جس سے ہمیشہ کے لیے بیوی
مرد پر حرام ہو جاتی تھی اور پھر تمام عمر گھٹتی رہتی تھی، اسلام نے اس ظلم کو ختم کر دیا اور
یہ حکم دیا کہ جو لوگ اپنی بیویوں سے ترک مباشرت کی قسم کھا لیتے ہیں انہیں چار
مہینے کی مہلت ہے یا تو وہ رجوع کر کے مباشرت کر لیں جس کے نہ کرنے کی قسم
کھائی ہے اور قسم کا کفارہ ادا کر دیں تو اللہ ان کی مغفرت کرے گا، اس سے معلوم
ہوا کہ ایلاء بذات خود برا کام اور عورت پر ظلم اور ایذا رسانی کا مترادف ہے۔ اس
حالت کا تقاضا یہ تھا کہ مرد کو مہلت ہی نہ دی جاتی، مگر چار مہینے کی مہلت دینے
میں حکمت یہ ہے کہ اتنے عرصے کی مفارقت اس کو اپنے کئے پر پشیمان ہونے اور
بیوی کی جانب رجوع ہونے کا موقع فراہم کر دے گی، دوسری طرف یہی
مفارقت بیوی کی صلاح کا وسیلہ بھی بن جائے گی اور جو بات شوہر کی بیزاری کا
سبب بنی اسے ترک کرنے کا رویہ اختیار کرے گی۔ اس لیے اتنے عرصے تک
تَوَقُّف کرنا علاقہ زوجیت کی بحالی کے لیے ضروری ہے اب اگر اس مفارقت کا
کچھ اثر نہ ہوا اور ایک کو دوسرے کی پرواہ نہ رہی تو جدا ہونا آسان ہوگا۔

چار ماہ کی مہلت اس لیے دی گئی ہے تاکہ شوہر کو نظر ثانی کرنے اور ہوش
سے کام لینے کا پورا موقع مل جائے۔ ایک عورت اپنے شوہر سے عادتاً زیادہ سے
زیادہ اس عرصہ تک صبر کر سکتی ہے۔

اس سلسلہ میں مفسرین نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک
رات جب آپ رضی اللہ عنہ سراغ رسانی کے لیے نکلے تو ایک عورت کی آواز سنی جس
کا شوہر جہاد کے لیے چلا گیا تھا، اس کی عدم موجودگی سے متاثر ہو کر وہ بے
تابانہ اشعار گا رہی تھی:

”رات طویل ہو گئی اور ہر طرف تاریکی چھا گئی..... اور مجھے یہ

تصور رلا رہا ہے کہ میرا خلیل میرے پاس موجود نہیں ہے کہ میں اس کے ساتھ کھیلوں..... قسم بخدا اگر اللہ کے عذاب کا ڈر نہ ہوتا..... تو اس چار پائی کے بازو حرکت میں آ جاتے۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا یہ حال سن کر اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ شوہر کی غیر موجودگی میں عورت کب تک صبر کر سکتی ہے؟ انہوں نے کہا: چار ماہ۔ اس وقت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ کسی شخص کو اس کی بیوی سے چار ماہ سے زیادہ دور نہ رکھا جائے۔

اصطلاح شرع میں اپنی عورتوں سے تعلق نہ رکھنے کی قسم کھا بیٹھنے کو ”ایلاء“ کہتے ہیں، میاں اور بیوی کے درمیان تعلقات ہمیشہ خوش گوار تو نہیں رہ سکتے، بگاڑ کے اسباب پیدا ہوتے ہی رہتے ہیں لیکن ایسے بگاڑ کو اللہ کی شریعت پسند نہیں کرتی کہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ قانونی طور پر رشتہ ازدواج میں تو بندھے رہیں مگر عملاً ایک دوسرے سے اس طرح الگ رہیں کہ گویا وہ میاں اور بیوی نہیں ہیں۔ ایسے بگاڑ کے لیے اللہ تعالیٰ نے چار مہینے کی مدت مقرر کر دی کہ یا تو اس دوران اپنے تعلقات درست کر لو ورنہ ازدواج کا رشتہ منقطع کر دو تا کہ دونوں ایک دوسرے سے آزاد ہو کر جس سے نباہ کر سکیں، اس کے ساتھ نکاح کر لیں۔

آیت میں چونکہ ”قسم کھا لینے“ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، اس لیے فقہائے حنفیہ اور شافعیہ نے اس آیت کا منشا یہ سمجھا ہے کہ جہاں شوہر نے بیوی سے تعلق میاں بیوی نہ رکھنے کی قسم کھائی ہو، صرف وہیں اس حکم کا اطلاق ہوگا، باقی رہا قسم کھائے بغیر تعلق منقطع کر لینا، تو یہ خواہ کتنی ہی طویل مدت کے لیے ہو، اس آیت کا حکم اس صورت پر چسپاں نہ ہوگا۔ مگر فقہائے مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ خواہ قسم کھائی گئی ہو یا نہ کھائی گئی ہو، دونوں صورتوں میں ترک تعلق کے لیے یہی چار مہینے کی مدت ہے۔ ایک قول امام احمد کا بھی اسی کی تائید میں ہے۔

(بدلیۃ المجتہد: ج ۲، ص ۸۸)

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن بصریؒ کی رائے میں یہ حکم صرف اس ترک تعلق کے لیے ہے جو بگاڑ کی وجہ سے ہو۔ رہا کسی مصلحت سے شوہر کا بیوی کے ساتھ جسمانی رابطہ منقطع کر دینا جبکہ تعلقات خوشگوار ہوں تو اس پر یہ حکم منطبق نہیں ہوتا، لیکن دوسرے فقہاء کی رائے میں ہر وہ حلف جو شوہر اور بیوی کے درمیان رابطہ جسمانی کو منقطع کر دے ایلاء ہے اور اسے چار مہینے سے زیادہ قائم نہ رہنا چاہئے، خواہ ناراضی سے ہو یا رضا مندی سے۔

بعض فقہاء نے فرمایا ہے کہ اگر وہ اس مدت کے اندر اپنی قسم توڑ دیں اور پھر سے تعلق زن و شو قائم کر لیں تو ان پر قسم توڑنے کا کفارہ نہیں ہے، اللہ دیسے ہی معاف کر دے گا۔ لیکن اکثر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ قسم توڑنے کا کفارہ دینا ہوگا۔ غفور رحیم کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کفارہ سے تمہیں معاف کر دیا گیا، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تمہارے کفارے کو قبول کر لے گا اور ترک تعلق کے دوران جو زیادتی دونوں نے ایک دوسرے پر کی ہو اسے معاف کر دیا جائے گا۔

حضرت عثمان، ابن مسعودؓ زید بن ثابتؓ وغیرہم کے نزدیک رجوع کا موقع چار مہینے کے اندر ہی ہے۔ اس مدت کا گزر جانا خود اس بات کی دلیل ہے کہ شوہر نے طلاق کا عزم کر لیا ہے اس لیے مدت گزرتے ہی طلاق خود بخود واقع ہو جائے گی اور وہ ایک طلاق بائن ہوگی، یعنی دورانِ عدت شوہر کو رجوع کا حق نہ ہوگا۔ البتہ اگر وہ دونوں چاہیں تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ علیؓ ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی ایک قول اسی معنی میں منقول ہے اور فقہائے حنفیہ نے اسی رائے کو قبول کیا ہے۔

سعید بن مسیبؒ، مکحولؒ، زہریؒ وغیرہ حضرات اس رائے سے یہاں تک تو متفق ہیں کہ چار مہینے کی مدت گزرنے کے بعد خود بخود طلاق واقع ہو جائے گی مگر ان کے نزدیک وہ ایک طلاق رجعی ہوگی، یعنی دورانِ عدت شوہر کو رجوع کر

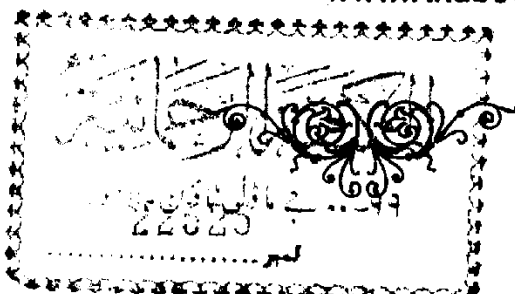
لینے کا حق ہوگا اور رجوع نہ کرے تو عدت گزر جانے کے بعد دونوں اگر چاہیں تو نکاح کر سکیں گے۔

بخلاف اس کے حضرت عائشہ ابوالدرداء رضی اللہ عنہا اور اکثر فقہائے مدینہ کی رائے یہ ہے کہ چار مہینے کی مدت گزرنے کے بعد معاملہ عدالت میں پیش ہوگا اور حاکم عدالت شوہر کو حکم دے گا کہ یا تو اس عورت سے رجوع کرے یا اسے طلاق دے۔ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک قول اس کی تائید میں بھی ہے اور امام مالکؒ وشافعیؒ نے اسی کو قبول کیا ہے۔



رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَتُبْ عَلَيْنَا
إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ
الْعَالَمِينَ وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ
وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ ۝

www.KitaboSunnat.com



۳۰۰ سے زائد صفحات کے اضافے کے ساتھ ایک بہترین علمی بحث

۵ جلدوں پر مشتمل

دورنگہ طباعت



اردو زبان میں پہلی مرتبہ تحقیقی و تخریج کا اہتمام

قیمت نہایت مناسب
صرف 1100 روپے

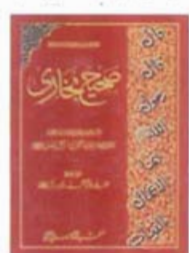
تفسیر ابن کثیر

از قلم:

امام حافظ ابو الفداء اعماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ

ترجمہ:
مولانا محمد جونا گڑھی

۸ جلدوں پر مشتمل • قیمت انتہائی مناسب



تدوین حدیث، اصول حدیث، مقام حدیث اور حجیت حدیث کی وضاحت اور منکرین حدیث کے اشکالات کے رد میں جامع مقدمہ • اختلافی مسائل میں فریقین کے دلائل اور ان کا انصاف پسندانہ تجزیہ • فتح الباری عون المعبود، تجلئے الاحادیث اور مرعاۃ المفاتیح وغیرہ شروحات سے منتخب علمی فوائد

مسک مکتبہ صالحین کی روشنی میں بہترین تخریج عربی متن جلی خط میں اعراب کے ساتھ ترجمہ نہایت آسان و پاکیزہ اور جامع اور غرض کے لیے یکساں مفید

الحمد لله رب العالمين

صحیح بخاری

حضرت مولانا محمد داؤد رازوی رحمہ اللہ

۲ جلدوں پر مشتمل • چار جلدوں تک

اعمال صالحہ اور ان کی بکثرت سے متعلق احادیث نبویہ کا یہ مشال مجموعہ

العمل الصالح

فی ثواب اہل اصلاح

حافظ لعل مراد محمد شرف الدین عید الترمذی حفظہ اللہ



تحقیق و تخریج
ڈاکٹر عبد الباقی عیسیٰ بن دہان
ڈاکٹر عبد الباقی عیسیٰ بن دہان
آپ کی زندگی کا رسل چلنے والے کتاب
طاہری اور مہولی حسن سے مزین

صحیح بخاری و صحیح مسلم کی مشفق علیہ احادیث کا مجموعہ

نثر

مجمع محمد صالح المنجد

الامور والمہجرات

مولانا محمد داؤد رازوی رحمہ اللہ • مولانا عبد الرشید قاسمی

فیما اتفق علیہ الشیخان

